ہفت روزہ

خدام الدین لاہور

بیادگار
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی
شیرانوالہ دروازہ لاہور

۲۹ جون سنہ ۱۹۶۲ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین © لاہور

ہدیہ ۲۵ پیسے

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّجُلَ یَتَعَاھَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْھَدُوْا لَہٗ بِالْاِیْمَانِ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ "اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ۔

(الاٰیۃ رواہ الترمذی بسند حسن)

ترجمہ:۔ ابو سعیدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں — کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ بہ وقت نماز کے لئے مسجد کا خیال رکھنے لگا ہے تو اس کے متعلق اب ایمان کی گواہی دے سکتے ہو۔ (باوجودیکہ ایمان ایک قلبی چیز ہے) کیونکہ اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد ہے کہ حقیقت میں خدا کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کر سکتے ہیں جو اللہ تعالےٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ (ترمذی شریف)

تشریح:۔ جو آیت آپ نے تلاوت فرمائی اس کا پہلا حصہ یہ ہے۔ ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ الخ مشرکوں کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اپنے جیسے کافروں سے اللہ تعالےٰ کی مسجدیں آباد رکھیں الخ۔ یہ حق صرف ان لوگوں کا ہے جو اللہ تعالےٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانے والے ہیں۔ واضح رہے کہ ایمان کو نماز کے ساتھ بڑا علاقہ ہے اور نماز کو مسجد کے ساتھ بڑی خصوصیت ہے اس لئے مسجد سے تعلق نماز سے تعلق کی علامت ہے اور نماز سے تعلق ایمان سے تعلق کی نشانی ہے۔ جیسا حج کہ اس کا تعلق بیت اللہ سے ہے اور بیت اللہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف ہے۔ پس جو شخص قدرت و استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا یہ اس کی بیت اللہ کے ساتھ بے تعلقی کی کھلی نشانی ہے اور جو شخص بیت اللہ سے اپنی بے تعلقی کے اظہار میں نہیں شرماتا یہ اللہ تعالےٰ کی ذات پاک کے ساتھ اس کی بے تعلقی کی علامت ہے اسی ربط کی وجہ سے قرآن کریم میں نماز کو ایمان اور حج نہ کرنے کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔ اللہ تعالےٰ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان ضائع کر دے (یعنی وہ نمازیں جو پہلے تم نے بیت مقدس کی طرف پڑھیں) و للہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا و من کفر فان اللہ غنی عن العالمین۔ لوگوں کے ذمہ خدائے تعالےٰ کے بیت کا حج کرنا فرض ہے۔ اب اگر کوئی کفر کرے (یعنی حج نہ کرے) تو یاد رکھے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات تمام جہان سے بے نیاز ہے۔

۲۔ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ غَدَا اِلَی الصَّلٰوۃِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَایَۃِ الْاِیْمَانِ وَمَنْ غَدَا اِلَی السُّوْقِ غَدَا بِرَایَۃِ اِبْلِیْسَ۔

(رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ:۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خود سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے — جو شخص صبح صبح فجر کی نماز کو گیا وہ (گویا) ایمان کا جھنڈا لے کر گیا۔ اور جو (نماز کی بجائے) بازار گیا، وہ (گویا) ابلیس کا جھنڈا لے کر گیا۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ عرب میں جھنڈا حکومت کا خاص آدمی ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ اب جس شخص نے صبح ہوتے ہی خدا کی فرض نماز ادا کر لی تو اس کے ہاتھ میں ایمان کی سب سے بڑی علامت آگئی اور اس نے اس کا بیّن ثبوت پیش کر دیا کہ وہ ایمان کی حکومت میں رہنے والا شخص ہے اس کے برخلاف جس نے نماز نہ ادا کی اس نے اس کا ثبوت دے دیا کہ وہ شیطان کے لشکر کا آدمی ہے ہر صبح جب آفتاب نکلتا ہے تو خدا کی مخلوق میں یہ عبرتناک تفریق دیکھتا ہوا نکلتا ہے ؎

نقاب چہرہ سے خورشید جب اٹھاتا ہے
کوئی حرم کو کوئی بت کدہ کو جاتا ہے
جو دل سے پوچھتا ہوں تو کدھر کو جاتا ہے
تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہ کہہ سناتا ہے
علی الصباح چو مردم بکار و بار روند
بلاکشان محبت بہ کوئے یار روند

۳۔ عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَیْرَ اَعْمَالِکُمُ الصَّلٰوۃُ وَلَا یُحَافِظُ عَلَی الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ۔

(رواہ مالک واحمد وابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ:۔ ثوبانؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صحیح راستہ پر جمے رہو مگر اس کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اور خوب سمجھ لو کہ تمہارے دین میں سب سے افضل عمل نماز ہے اور وضو کی نگرانی بجز مومن کامل کے اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔

(مالک۔ احمد۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

ہفت روزہ خدام الدّین لاہور

فون نمبر ۶۷۵۴۵

جلد ۸ | ۲۵ محرم الحرام سنہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۹ جون سنہ ۱۹۶۲ء | شمارہ ۸

شرح چندہ

پاکستان و ہندوستان
سالانہ :- گیارہ روپے
ششماہی :- چھ روپے
سہ ماہی :- تین روپے
فی پرچہ :- ۲۵ پیسے

سعودی عرب، ایران، کویت، ملایا، ہانگ کانگ، افریقہ - انگلینڈ
:- سالانہ :-
عام ڈاک سے :- ۱۸ روپے ۸۷ پیسے
ہوائی ڈاک سے :- ۵۴ روپے

امریکہ :- عام ڈاک سے ۲۴ روپے۔ ہوائی ڈاک سے ۸۳٫۸۰ روپے
بیرونی ممالک کیلئے چھ ماہ سے کم میعاد کے لئے پرچہ جاری نہیں کیا جائیگا

عصمت فروشی کے انسداد کا بل

پاکستان میں عصمت فروشی کا انسداد اس سے بہت قبل ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن بد قسمتی سے پاکستان کے قیام کے جلد ہی بعد ملک کی عنانِ اقتدار ایسے خود غرض طبقہ کے ہاتھ منتقل ہوئی جس نے پاکستان کے بنیادی نظریات تک کی پروا نہ کرتے ہوئے ملک کو تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا۔ جس کے نتیجہ میں پاکستان میں مارشل لاء کا نفاذ عمل میں آیا۔ اور صدر مملکت نے برسرِ اقتدار آتے ہی خوش کن اعلان کیا کہ پاکستان میں پاکستان کے بنیادی نظریات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تمامتر مساعی بروئے کار لائی جائیں گی۔ اس کے بعد بھی صدر مملکت وقتاً فوقتاً معاشرہ کی اصلاح پر زور دیتے رہے۔ اور اب تو پاکستان کے دستور میں بھی اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ ملک میں کوئی قانون اسلام کے خلاف نافذ نہیں کیا جائے گا۔

ہمیں توقع تو یہ تھی کہ صدرِ مملکت کسی آرڈیننس وغیرہ کے ذریعہ ملک سے فحاشی، شراب خوری اور مخرب اخلاق اداروں کے خاتمہ کا اعلان کرکے اس کارِ خیر کی ابتدا کریں گے اور عوام کی دیرینہ آرزوؤں کی تکمیل فرمائیں گے۔ لیکن صدر محترم نے یہ فریضہ ارکانِ پارلیمنٹ کی صوابدید پر چھوڑ دیا ــــ چنانچہ اب قومی اسمبلی کے اجلاس میں پاکستان کے مشہور عالم دین حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ نے ایک قرارداد کے ذریعہ ملک سے عصمت فروشی کے انسداد کا مطالبہ کرکے پاکیزہ اقدام کیا ہے۔ نیز محکمۂ قضاء کے قیام کی تجویز بھی آپ نے کارپردازانِ مملکت کے سامنے رکھی ہے۔

ہم مفتی صاحب مدظلہٗ کے اس مطالبہ کی پُرزور حمایت کرتے ہوئے اراکینِ اسمبلی سے مستدعی ہیں کہ وہ اس مطالبہ کی سرگرم تائید کرکے اسلام دوستی کا ثبوت دیں۔

یہ بات ہمارے لئے انتہائی شوہانِ روح ہے کہ ملک میں عصمت فروشی کے باقاعدہ اڈوں کے علاوہ پرائیویٹ اڈے بھی موجود ہیں۔ جو پاکستان ایسی مملکت کی پیشانی پر جو اسلام کے مقدس نام پر معرضِ وجود میں آئی تھی یقیناً بدنما داغ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا انسداد اشد ضروری ہے۔

اصل میں عصمت فروشی اور شراب خوری ایسے مفاسد کے مکمل دفعیہ کے بغیر اصلاحِ معاشرہ کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ سمگلنگ اور جُوا وغیرہ کے فروغ کا باعث بھی یہی مفاسد ہیں۔ شراب کو زبانِ نبوت نے "اُمّ الخبائث" کا نام دیا ہے۔ اُمّ الخبائث کے معنی ہی "پاپ جننی" کے ہیں۔ گویا تمام پاپ یا گناہ شراب ہی کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں۔ اب اگر لعنتِ شراب خوری کا قلع قمع کر دیا جائے تو کئی برائیاں معاشرہ میں راہ پانے سے رک جائیں گی۔

درحقیقت عصمت فروشی اور احکامِ الٰہی کے خلاف سرگرمیاں اس مملکتِ خداداد کے قائم ہوتے ہی قانوناً جرم قرار دی جانی چاہئیں تھیں۔ مگر بدقسمتی سے ماضی میں اربابِ اختیار کی عدمِ توجہی کے باعث یہ مبارک اقدام اب تک نہیں ہو سکا۔

کس قدر افسوس اور شرم کا مقام ہے کہ صرف لاہور میں ایک رپورٹ کے مطابق پانچ ہزار زنا کے پرائیویٹ اڈے موجود ہیں۔ اب آپ ہی اندازہ لگائیے کہ جب صرف لاہور کا یہ حال ہے تو سارے پاکستان میں زناکاری کی رفتار کیا ہوگی۔

قیاس کُن ز گلستانِ من بہارِ مرا

اسلام تو زنا کی سزا قتل سے بھی سخت تجویز کرے، اسے سنگین ترین جرم قرار دے، اس کے قریب پھٹکنے سے بھی ممانعت کرے اور اس کے محرکات تک سے باز رہنے کی تلقین کرے۔ مگر فرزندانِ اسلام کے ملک میں اس کی فراوانی شرم و حیا کے منہ پر طمانچہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ محبت دینی سے لبریز لاکھوں کھا دل اس صورتِ حال کے پیشِ نظر خون کے آنسو روتے ہیں اور عقل حیرت میں گم ہو کر رہ جاتی ہے۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

چند ماہ پہلے بعض بلدیاتی ادارے بھی فحاشی کے اڈوں کی بیخ کنی کی قرارداد پاس کرکے اپنی غیرت و حمیت کا ثبوت دے چکے ہیں۔ لیکن کس قدر مقامِ افسوس ہے کہ ان کا یہ مبارک اقدام بھی قانونی جھمیلوں کی نذر ہو کر رہ گیا۔

کیا یہ اسلام کی توہین اور شریعتِ محمدیہ سے کھلا ہوا مذاق نہیں؟

ہم عصمت فروشی، بے حیائی، شراب خانوں، ناچ و رنگ اور ایسی دیگر اخلاق سوز محفلوں کو ملک و ملت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ سمجھتے ہیں اور ممبرانِ قومی اسمبلی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ مفتی محمود صاحب کے پیش کردہ بِل کی پُرزور حمایت کرکے ملک و قوم کی دعائیں لیں۔ قانون کو کتاب و سنت کے سانچہ میں ڈھالنے کی سرگرم مساعی کریں اور عند اللہ اور عند الناس ماجور ہوں۔

ان کالموں میں جہاں ہم ممبرانِ قومی اسمبلی سے مخاطب ہیں وہاں نئی پود کو بھی (کہ وہ ایسے مفاسد کا جلد شکار ہو جاتی ہے) یہ ناصحانہ مشورہ دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی زندگیوں کو اسلامی سانچہ میں ڈھالیں۔ ان تمام مراکز کو جہاں سے فحاشی، عریانی اور بے حیائی کے سوتے پھوٹتے ہیں حقارت کی نظر سے دیکھیں۔ انگریزی تہذیب و تمدن کی آغوش میں جانے کی بجائے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ ڈھونڈیں اور ملک و ملت کی عزت کو چار چاند لگائیں۔

مجلس ذکر منعقدہ جمعرات ۱۷ محرم الحرام ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۱ر جون ۱۹۶۲ء

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مد ظلہ العالی نے مجلس ذکر کے بعد حسب ذیل تقریر فرمائی۔ (نظر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵ الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ——— اما بعد

مومن الفت و محبت کا مرکز ہے

عن ابی ہریرۃ رضی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المؤمن مألف ولا خیر فیمن لا یألف ولا یؤلف

(رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرۃ رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- مومن تو الفت و محبت کا مرکز ہے اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔

یہ ایک چھوٹی سی حدیث ہے لیکن نتیجے کے اعتبار سے ایک وسیع مضمون اور اصلاح معاشرہ کا بہت بڑا پیغام اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو محبت و الفت کا پتلا ہونا چاہئے۔ حسن اخلاق، رواداری، مہر و وفا اور صدق و صفا کا پیکر ہونا چاہئے۔ اگر وہ دوسروں سے مروت سے پیش آئے گا، حسن کردار کا ثبوت دے گا تو دوسرے لامحالہ اس سے محبت کا برتاؤ کریں گے، عقیدت سے پیش آئیں گے۔ جس شخص میں حسن اخلاق نہیں اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ یقین، عمل اور محبت کامیاب زندگی کے لازمی اجزاء ہیں ؎

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

اس حدیث میں خشک مزاجی اور تقشف سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ حالانکہ بعض بزعم خویش صوفی صافی اسے دین کا جزو سمجھتے ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ محبت و الفت اور بغض و عداوت محض رضائے خداوندی کے تحت ہونی چاہئے۔ لیکن معاملات میں پھر بھی نرم روی اور محبت و اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہئے۔

مثلاً جن سے رشتہ محبت چلا آتا ہے اگر ان میں کوئی خلاف شریعت فعل نظر آئے تو دامن تعلق سکیڑ لینا چاہئے۔ تاکہ ان کے لئے تازیانہ عبرت ہو۔ مگر بداخلاقی اس صورت میں بھی نہ ہونی چاہئے۔ بعض موقع پر بے دینوں سے بایں وجہ محبت کا دامن وسیع کرنا پڑتا ہے تاکہ صالح اور نیک بخت انسان کا کردار اثر انداز ہو کر بے دینوں کو دین کے قریب لے آئے۔ قرآن رحمن میں اسے تالیف قلوب کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:-

عن ابی ذر رضی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ۔

(رواہ ابوداؤد)

ترجمہ:- حضرت ابوذر غفاری رضی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بندوں کے اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور وہ بغض و عداوت ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔

اس حدیث سے صاف واضح ہے کہ مسلمان کا ہر کام محض رضائے الٰہی کے لئے ہونا چاہئے اس کا کوئی فعل اپنی ذات کے لئے نہیں۔ بلکہ خدا کے احکام کی تعمیل ہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا اور واحد نصب العین ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تمام مخلوق خدائے رحمان و رحیم کی مخلوق ہے۔ خالق کب گوارا کرتا ہے کہ اس کی مخلوق کے ساتھ کوئی بدسلوکی کا مظاہرہ کرے۔ اسی لئے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نوع انسان سے ہمدردی اور خلق سے پیش آنے کی الہامی تعلیم دی۔ حقوق العباد ادا کرنے میں پابندی کی سختی سے ہدایت کی اور جانوروں تک کے حقوق کی پاسداری کا درس عظیم دیا۔

اس تعلیم کے ہوتے ہوئے بھی جب غیر مذاہب والے یہ الزام لگاتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔ تو وہ حقائق سے روگردانی کرتے ہیں۔ اور انتہائی دیدہ دلیری کا ثبوت دیتے ہیں۔ واقعات کی رو سے آپ تمام تاریخ عالم کی ورق گردانی کر جائیے آپ کو کہیں نظر نہیں آئے گا کہ مسلمانوں نے صلح یا جنگ کی حالت میں کبھی بھی شرافت و مروت کا دامن ہاتھ سے چھوڑا ہو۔ اسلام جہاں جہاں پھیلا فولاد کی تلوار سے نہیں بلکہ خوف خدا، حسن اخلاق اور بلندئ کردار کی تلوار سے پھیلا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ تلوار کے دھنی انسان بھی اس کی اشاعت میں شریک رہے ہیں تو اعتراض کرنے والے کو یہ جواب بھی دینا ہوگا کہ آخر ان تلوار کے دھنی انسانوں کے ایمان لانے کا کیا باعث تھا۔

تحقیق پر یقیناً آپ اس کے سوا کسی اور نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے کہ مکہ کے ایک یتیم اور نبی امی کی نگہ محبت اور اخلاق و مروت کی تلوار نے ان کے دلوں کو گھائل کر دیا تھا ——— اور ان تیغ آزماؤں کے قلوب کو پاکیزگی کردار اور خلق عظیم کی معجزانہ قوتوں نے مسخر کر لیا تھا۔

اسلام کی ان گنت خوبیوں میں نمایاں خوبی اور کمال یہ ہے کہ تھوڑے سے عرصہ میں اس نے اخلاق و محبت اور معجزانہ تعلیمات کی سحر کاری سے ساری دنیا میں انقلاب برپا کر دیا اور تمام انسانیت کو ظلمت اور گمراہی کے گڑھے سے نکال کر نور ہدایت میں لا کھڑا کیا۔

آج سے تیرہ سو سال قبل نہ بجلی تھی نہ ریڈیو، ٹیلی ویژن تھا نہ ٹیلی گرام کا انتظام، سامان رسل و رسائل کی بہتات تھی نہ ذرائع آمد و رفت کی فراوانی۔ ایسے حالات میں پیغام حق کا اقصائے عالم میں پھیل جانا اور دشت و جبل کا توحید خداوندی

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

خطبہ یوم الجمعہ ۱۸ر محرم الحرام ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۲ر جون سنہ ۱۹۶۲ء

از جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور مدظلہ العالی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ــــ اما بعد

نوعِ انسانی کیلئے اسوۂ کامل

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔

ترجمہ:۔ اور ہم نے آپ کو جو بھیجا ہے تو صرف سب لوگوں کو خوشی اور ڈر سنانے کے لئے۔

دنیا میں ہزاروں انبیاء علیہم السلام کائنات انسانی کی ہدایت کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مبعوث ہوتے رہے لیکن وہ سب کے سب صرف اپنے اپنے قبیلے یا قوم کو ہی پیغام ربانی سے روشناس کرتے رہے۔ ان کی تبلیغ محدود رقبے اور محدود اشخاص تک مخصوص رہی ــــ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے تمام کائنات انسانی سے خطاب کیا ہو۔ چنانچہ اس آیت کریمہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد ہوتا ہے۔ کہ آپ کا فرض اور آپ کی بعثت کی غرض ہی یہی ہے کہ نہ صرف عرب کو بلکہ تمام دنیا کے لوگوں کو ان کے نیک و بد سے آگاہ کر دیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس منصب کا کہ حضورؐ کل دنیا کے لئے مبعوث ہیں۔ سورۃ اعراف میں بھی ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ کہہ دو اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہی پیدا کرتا اور مارتا ہے پس اللہ پر ایمان لاؤ۔ اور اس کے رسول نبی امی پر اور اس کی سب کلاموں پر یقین رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ۔

یعنی آپ کی بعثت تمام دنیا کے لوگوں کو عام ہے۔ عرب کے امیین یا یہود و نصاریٰ تک محدود نہیں۔ جس طرح خداوند تعالیٰ شہنشاہ مطلق ہے آپ اس کے رسول مطلق ہیں۔ اب ہدایت و کامیابی کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس جامع ترین عالم گیر صداقت کی پیروی کی جائے جو آپ لے کر آئے ہیں یہ ہی پیغمبر ہیں جن پر ایمان لانا تمام انبیاء و مرسلین اور تمام کتب سماویہ پر ایمان لانے کے مترادف ہے۔

(حاشیہ شیخ الاسلام)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دنیا مختلف حصوں، خطوں، قبیلوں اور قوموں میں بٹی ہوئی تھی۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلے سے، قوم دوسری اقوام سے، شہر دوسرے شہروں سے اور ملک دوسرے ملکوں سے بالکل لاتعلق تھے ذرائع آمد و رفت محدود تھے۔ سامانِ رسل و رسائل کا فقدان تھا۔ ریل گاڑیوں اور ہوائی جہازوں سے دنیا ناآشنا تھی۔ ٹیلیفون اور ٹیلیگرام کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ دنیا کی کوئی مشترک زبان نہ تھی۔ قومیں قبیلوں میں اور قبیلے گروہوں میں تقسیم تھے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے حالات سے ناواقف ہوتا تھا۔ اور ایک شہر کے رہنے والے دوسرے شہر کے حالات سے قطعاً بے خبر ہوتے تھے۔ چنانچہ ہر قوم اور ہر شہر کے لئے ایک ایک وقت میں مختلف نبی ان کی رہنمائی کے لئے مبعوث ہوتے رہے تاکہ مخلوقِ خداوندی ہدایت سے محروم نہ رہے۔

رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ ایجادات و انکشافات کا دور شروع ہونے والا تھا۔ علم و حکمت کے موتیوں سے زمانہ جھولیاں بھرنے والا تھا۔ مہینوں کے راستے گھنٹوں میں اور سالوں کے راستے دنوں میں طے ہونے والے تھے۔ کائنات کے ایک سرے کی بات دوسرے سرے تک سیکنڈوں میں پہنچنے کے مکمل سامان ہونے والے تھے۔ اور مختلف حصوں میں بٹی ہوئی دنیا کو نئی نئی ایجادات کے ذریعے ایک اکائی میں تبدیل کیا جانے والا تھا۔ اس لئے اللہ رب العزت نے رسول بھی وہ مبعوث فرمایا جو ساری کائنات کے لئے مشعلِ ہدایت ہو اور ہر شخص خواہ وہ کسی حصے، خطے یا ملک کا رہنے والا ہو اپنے اپنے حالات اور استعداد کے مطابق [illegible] سے کسبِ فیض کر سکے اور ہدایت یاب ہو سکے۔

اس امر کے لئے کہ وہ رسول ساری کائنات کے لئے پیغام حق کا داعی ہو۔ یہ بھی ضروری تھا کہ خود اس کی زندگی اتنی جامع، مکمل اور اکمل ہو کہ نوع انسانی کا ہر فرد اس کی زندگی سے استفادہ کر سکے اور اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی مقدس زندگی سے رہنمائی حاصل کر سکے۔ لازم تھا کہ وہ رسول عبد کامل ہو تاکہ انسانیت کو تختِ سیادت پر بٹھلا سکے۔ محاسن اخلاق، محامد اعمال، تدبیر منزل، سیاست مدن، اقتصادیات، سیاسیات، عمرانیات کے درس اور دماغ کو روشن، قلب کو مجلّٰی اور روح کو منور کرنے والی تعلیم کا حامل ہو۔ اس کی درسگاہِ قدس کے دروازے کبھی اور کسی پر بند نہ ہونے والے ہوں۔ اس کا فیضان عام ہو۔ ایک صحرا نشین اور ایک شہری، ایک فلاسفر اور ایک بدوی، ایک بادشاہ اور ایک گداگر، سپاہی اور جرنیل، معلم اور صناع، درویش اور دنیادار آنِ واحد اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق یکساں طور پر اس سے فائدہ اٹھا سکیں مرد و زن، بوڑھے اور بچے سب کے لئے اس کا اسوۂ حسنہ کامل نمونہ اپنے اندر رکھتا ہو۔

چنانچہ خداوند قدوس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر تمام کائنات کے لئے مبعوث فرمایا تو ساتھ ہی آپ کے اسوۂ حسنہ کو نمونۂ کامل اور اپنی صناعی کا بہترین شاہکار بھی قرار دے دیا۔ ارشاد ربانی ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

آپ کو بہترین نمونہ رسول اللہؐ ہی ملیں گے۔ ناممکن ہے کہ آپ ان کے اتباع کے بغیر راہ نجات کی گرد کو بھی پا سکیں۔ اور انعاماتِ خداوندی کی پرچھائیں بھی بجز حضورؐ کی تابعداری کے آپ پر پڑ سکے۔

اب نمونۂ کامل فقط وہی ذات بابرکات ہو سکتی ہے۔ جس میں مندرجہ ذیل چار چیزیں پائی جاتی ہوں۔

۱۔ سیرت محفوظ ہو

اس کی زندگی کا ہر ہر گوشہ اور ہر ایک حرکت و سکون بے نقاب ہو۔ اس کے معاملات سے لے کر نشست و برخاست تک ہر ایک چیز تاریخ کے صفحات میں پوری طرح محفوظ ہو اور جب جی چاہے اس سے رہنمائی حاصل کی جا سکے۔

اس حیثیت سے اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو دیکھا جائے تو آپ کی زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب نظر آئے گی۔ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر امتدادِ زمانہ کی گرد و اثرانداز ہوئی ہو۔ سیرت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہو۔ آپ کے عشاق نے تو آپ کی سیرتِ مقدسہ کو اس حد تک محفوظ کر دیا ہے۔ کہ قاری کو آپ کی زندگی کی ایک ایک ساعت کا علم ہو سکتا ہے۔ آپ نے کیا کیا کھایا؟ کس قسم کا لباس زیب تن کیا؟ کہاں قیام فرمایا؟ کیا کیا کام کیا؟ کس جگہ اٹھے اور کس کس مقام پر بیٹھے؟ آپ کا حلیہ مبارک کیا تھا؟ کیا کیا کلماتِ طیبات آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے جاری ہوئے؟ یہ سب چیزیں آنِ واحد میں کتب سیرؐ سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ بھی نہیں۔ پیشاب و استنجا تک کے معاملات میں بھی آپ کی ذات سے کامل رہنمائی مل سکتی ہے۔

یقیناً اس اعتبار میں مخلوقِ خداوندی میں سے کوئی فرد بھی رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پیش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ ایک لاکھ تئیس ہزار نو سو ننانوے یا کم و بیش جس قدر انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں۔ ان تمام کی زندگیوں کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھئے تو واضح فرق نظر آئے گا۔ اکثر انبیاءؑ کے تو نام تک بھی تاریخ نے محفوظ نہیں رکھے۔ اور جن کے ناموں کا علم ہے ان کی زندگی کے حالات و واقعات اور بعض صورتوں میں ان کے مولد و مدفن اور ان کے زمانہ تک کا اتہ پتہ آپ کو نہیں ملے گا۔ یہ فضیلت صرف آمنہ کے لالؐ کی ہے کہ اس کی سیرتِ مطہرہ محض کتب تاریخ ہی میں نہیں بعض سینوں میں بھی محفوظ ہے۔

۲۔ اجمع الناس ہو

اس اعتبار سے بھی حضورؐ کی ذاتِ گرامی اپنی مثل نہیں رکھتی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

کائنات حسن جب پھیلی تو لامحدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی

اللہ عزوجلہٗ نے اس قدر جامعیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات میں سمو دی تھی کہ بنی نوع انسان میں سے کوئی آپ کا مد مقابل نہیں ہو سکتا۔ جامع شخصیت کے لئے ضروری ہے کہ ہر شخص اپنی استعداد، اپنے پیشے، اپنی عمر اور اپنے حالات کے موافق اس سے فیض اٹھا سکے۔ اس کی زندگی کے حالات دیکھ کر اپنی زندگی اسی سانچہ میں ڈھال سکے۔ اور اس سے پوری رہنمائی حاصل کر سکے۔

چنانچہ اگر ایک شخص حضرت آدم علیہ السلام سے جو جدِ امجد ہیں تمام انسانوں کے اس بارے میں رہنمائی حاصل کرنا چاہے کہ والدین کی خدمت کس طرح کرنی چاہئے بھائیوں سے کس طرح پیش آنا چاہئے تو آپ کی زندگی اس بارے میں خاموش نظر آئے گی کیونکہ آپ کے نہ تو والدین تھے اور نہ آپ کے بھائی تھے۔ یہی حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے کہ وہ بھی والد و برادر سے محروم تھے۔ مزید برآں رہبانیت کی تعلیم تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے مل سکتی ہے۔ زندگی کے دوسرے گوشوں میں آپ کی سیرت سے کوئی استفادہ نہیں کیا جا سکتا۔ غرضیکہ آپ مختلف انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں کا مطالعہ کر دیکھئے کسی میں یہ شان نظر نہیں آئے گی کہ اس کی زندگی بیک وقت زندگی کے تمام پہلوؤں اور گوشوں میں شمع ہدایت بن سکے۔

یہ خصوصیت بھی صرف مکہ کے یتیم اور ہمارے آقا و مولاؐ ہی کی ہے کہ اس کی زندگی ہر معاملہ میں ہر ایک فرد کے لئے گویا ایک شاہراہ ہدایت دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً ایک یتیم حضورؐ کی یتامت سے سبق لے سکتا ہے، رضاعی ماں سے سلوک دیکھنے کا متمنی حلیمہ سعدیہ سے حضورؐ کے برتاؤ کو چراغِ راہ بنا سکتا ہے، اولاد کی تربیت میں رہنمائی حاصل کرنے والا سیدہ فاطمہؓ کے ابّا اور حسنینؓ کے نانا کو دیکھ لے۔ اگر کسی شخص کو عمر میں بڑی بیوی سے سابقہ پڑے تو خدیجۃ الکبریٰؓ طاہرہ کے خاوند کا طرزِ عمل سامنے رکھے اور اگر کم عمر بیوی سے نکاح کی صورت پیش آ جائے تو سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے آقا سے نبھاؤ کا طریق سیکھے۔ میدانِ جنگ میں دشمن کی فوجوں سے مقابلہ کرنا ہو تو میدانِ بدر میں صفیں درست کرانے والے سجیلے جرنیل کا اسوہ پیش نظر رکھے میدانِ جنگ میں شکست کے آثار ہویدا ہوں تو اُحد کے مجاہد سے برداشت کا درس لے، فاتح ہدایت حاصل کرنا چاہے تو فاتح مکہ سے عفو و درگذر کا سبق لے، تاجر تجارت میں کسی سے رہنمائی کا متمنی ہو تو شام کے تاجر کا طرزِ عمل مشعلِ راہ بنائے، قیدی شعب ابی طالب کے اسیر پر نظر کرے اور مزدور مسجد نبویؐ کے لئے اینٹیں ڈھونے والے نبی امیؐ کی سیرتِ مقدسہ کا مطالعہ کرے۔ مساوات کے درس جاودانی کا طالب جنگِ احزاب میں پیٹ پر پتھر باندھنے والے آقا کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرے، عابد و زاہد غارِ حرا کے شمعِ زہد سے استفادہ کرے، مالدار ہزارہا اشرفیاں روز خیرات کرنے والے غنی کے دروازہ پر جائیں اور فقراء "الفقر فخری" کہنے والے محبوبِ خدا کے طریق کو اپنائیں۔ یتیموں پر شفقت روا رکھنے والے مدینہ طیبہ میں ایک یتیم کو کاندھوں پر اٹھا کر عیدگاہ لے جانے والے محسنِ انسانیت کو راہنما اور غلاموں سے حسنِ سلوک کے شیدائی زیدؓ کے آقا کو اپنا پیشوا بنا سکتے ہیں۔ غرضیکہ وہ کون سا مرحلہ ہے اور وہ زندگی کا کون سا گوشہ ہے جس میں حبیب رب العالمین، سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے رہنمائی نہ مل سکے۔ اور یہی وہ شانِ جامعیت ہے جس کو دیکھ کر طامس کارلائل جیسا فاضل عصر انگریز جب "ہیرو اینڈ ہیروز ورشپ" لکھنے بیٹھتا ہے تو گروہ انبیاء علیہم السلام میں سے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نام مبارک کا انتخاب کرتا ہے۔

(باقی صـ۱۷ پر)

جناب ماسٹر لال دین اخگر بی، اے - بی، ٹی

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم نے درس قرآن میں ضمناً حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی جامعیت کا تذکرہ کیا تھا حضرت درخواستی مدظلہ العالی کی تقریر کا اقتباس میں نے محترم المقام ماسٹر لال دین اخگر صاحب سے عرض کیا چنانچہ انہوں نے ذیل کی سطور اپنے رنگ میں تحریر کر کے خدام الدین کے لئے بھیجی ہیں ۔ ہم شکریہ کے ساتھ انہیں ہدیہ قارئین کرام کرتے ہیں ۔ اصل میں یہ خیالات حضرت درخواستی کے ہیں اور الفاظ محترم ماسٹر جی کے --- (انظر)

جامعیّت

از نبوّت تا ولایت

حضرت درخواستی جن کو پروردگارِ عالم نے سوزِ دل عطا فرمایا ۔ وہ اپنے عارفانہ انداز میں قرآنِ عزیز کے موثرات کو بایں الفاظ پیش کر رہے تھے یا یوں سمجھئے نیرِ قرآن کی اُن تابانیوں کا ذکر ہو رہا تھا ۔ جنہوں نے چودہ سو برس کی انسانی تاریخ میں قلوب و ارواح کی بستیوں کو منوّر فرمایا تھا ۔ وہ در و دیوار نہ تھے ، دشت و جبل کی پہنائیاں نہ تھیں جن پر مہرِ قرآن کے انوار کی بارش ہوئی بلکہ وہ حاملِ قرآن پیغمبر انس و جان صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی وہ قدسی الاصل جماعت تھی جس نے مکتبِ نبوی میں رہ کر کلامِ الٰہی کی ضیاپاشیوں کے سامنے اپنے دلوں کے دامن کو پھیلا دیا تھا ۔ وہ زبانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیاتِ قرآنی کو سماعت فرماتے ۔ دلوں میں ایک فردوسی سرور کو محسوس کرتے ۔ اور جب ہادی کے پُرنور چہرہ پر دزدیدہ نگاہیں ڈالتے تو سُنی ہوئی آیات کا عملی نقشہ اسوۂ حسنہ کی صورت میں سامنے آ جاتا تھا ۔ لہذا بار بار آزمانے پر اُن کو یقین ہو گیا کہ کلامِ الٰہی کا ادراک رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب سے حاصل ہو گا ۔ لہذا انہوں نے حیاتِ قرآن کے مطالب و مفاہیم تدبر و تفکر کو اپنا لائحہ عمل بنایا وہاں ہادیٔ برحق کے ہر لمحۂ حیات کو قرآنِ عزیز کی تفسیری و تشریحی جلوہ گری سمجھ کر استفادہ کیا ۔

قرآنِ عزیز اپنے خصائص معنوی کے لحاظ سے جلالِ خداوندی اور جمالِ کبریائی کے امتزاج کا نام ہے --- وہ شوکتِ خسروانہ اور طبعِ درویشانہ کے کمالات کو دنیا میں پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے ۔ لہذا رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی قرآن حکیم کی صوری حیات ہے ۔ اور یہی حقیقتِ ایمان و ایقان کا سرمایہ ہے ۔ اب اس جامعیت کی ضوگستری تا قیامت ہوتی رہے گی ۔ کیونکہ ارشاد نبوی ہے کہ میری امت کے علماء خیر بنی اسرائیل کے انبیاء کرام کی طرح ہوں گے اور میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا ۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کا مہرِ تاباں جب سرزمینِ عرب میں چمکا تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کی پہلی کرن کے سامنے گردنِ تسلیم جھکا دی ۔ اور یہی وہ عمل ہے جس کو صدیقیت کے نام سے تعبیر کیا گیا ۔

اب اللہ تعالےٰ ہی اپنے بندوں کی استعداد کو جانتا ہے ۔ لہذا رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت کے اس مبارک انسان کے بعد شانِ جلال اور نورِ جمال کو کبھی علیحدہ علیحدہ اور کبھی جامعیت کی صورت میں مختلف ادوار میں مختلف پاکباز ہستیوں کو ودیعت کیا گیا ۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ کے مقامِ جلیلہ کو قریب سے جو نظریں پڑیں ۔ اُن کو حضرت عثمان ذوالنورین کی حیاتِ طیبہ سے جداگانہ پہلو نظر آئے ۔ اب معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے جامعیت کے تمام انوار کو اپنے اندر سمیٹ لیا تھا ۔ اور آگے مشیتِ ایزدی نے جلالی انوار کو فاروقِ اعظم کے لئے مختص کر دیا ۔ اور اُسی مشیّت نے حضرت عثمان ذوالنورین کو جمال کی صفت سے نوازا ۔ اصحابہ کبار کی جماعت کی تقسیم ان اصولوں پر کی جائے ۔ تو ایک طویل داستان کی صورت اختیار کر جائے گی ۔ بلکہ تمام سعید روحوں کے قطع نظر ہم حجۃ اللہ فی الارض سیدنا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی حیاتِ بابرکات کو دیکھتے ہیں ۔ تو جامعیت کے تمام عکس لئے ہوئے ہے وہاں صرف عالمانہ تبحر ہی نہیں ہے بلکہ حرّیت اپنے پورے زور سے کارفرما ہے ۔ حضرت شاہ عبدالعزیز مرحوم سے پروردگارِ عالم نے چونکہ کتاب و سنہ کی ترویج اور طالبانِ حق کے قلوب کے تزکیہ کا کام لینا تھا لہذا اُن کے خرقِ اقدس پر بھی جامعیت کا امتیازی تاج پہنایا گیا ۔ اب انہی کے نام لیواؤں میں سے سیدنا محمد اسماعیل مرحوم اور سید احمد دہلوی کو مجاہدانہ جلال عطا فرما کر جہاد جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے منتخب کر لیا ۔ ہند کی غلام آباد سرزمین میں ان بے باک مجاہدوں نے اپنے حلقۂ اثر کے نوجوان مسلمانوں کو "ہر آنکہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست" کا درسِ حرّیت دینا شروع کیا ۔ ان کے قلوب آلائشِ دنیاوی سے پاک تھے ۔ اور ان کی روحیں جذبہ جہاد سے سرشار تھیں ۔ آخر کار باطل کے مقابلے میں جامِ شہادت نوش فرما کر علیین کو سدھارے ۔ مگر اپنے نام لیواؤں اور شیداؤں میں فدائیت کی روح پھونک گئے ۔ اس قبیلۂ مجاہدین کے دو مقدس فرد (مولانا محمد اسحاق شاہؒ اور حضرت محمد یعقوبؒ) مکہ معظمہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے اس خلا کو سنت اللہ اور عادۃ اللہ نے اس طرح پورا کیا کہ جامعیّت کا خرقہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی کو عطا فرمایا ۔ اور حضرت رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو ان کی جلالی اور جمالی صفات کا مظہر اتم قرار دیا ۔ یہ قرآن حکیم کی عملی تفسیریں تھیں ۔ جن کو اپنوں اور غیروں سے اسلام کی صداقت کا اعتراف کرانا تھا ۔ اسی سلسلے کی کڑیوں کو قیامت تک پہنچانے کے لئے حضرت شیخ الہند جامعیت کی علمبرداری کے لئے بھیجے گئے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور امام انقلاب حضرت عبیداللہ

سندھی اسلام کی جلالی شان کے ترجمان اور حضرت مفتی اعظم کفایت اللہ اور حضرت انور شاہ مرحوم جمالی عظمت کے روح رواں بنائے گئے۔

اب اس دور فتن میں جامعیت کی مشعل برداری کے لئے حضرت حسین احمد مدنیؒ کو مالک قضا و قدر نے تجویز فرمایا۔ اور حضرت امروٹیؒ شہباز منزل قطبیت کو جلالی صفات کی مکمل جلوہ گری اور حضرت دین پوری کو جمالی خصائل کی کار فرمائی کے لئے منتخب کیا گیا۔ آج آسمانوں سے برطانوی سامراج کے سبب فتنوں کے دھارے کھل گئے اور زمین سے باطل کی سوتوں کو پھوٹ پڑنے کا پورا موقعہ میسر آیا۔ انہوں نے غیروں کی جوتیوں کو مال و جاہ کی ہوس کا شکار ہو کر سر آنکھوں پر جگہ دی۔ اور بیگانوں کو اسلام کے حصار کے گرد و پیش اپنی تمام طاغوتی اور قہرمانی طاقتوں کو لا کھڑا کرنے کا موقعہ ہاتھ آیا۔ سرزمین ہند کو ابلیس لعین نے اپنی نابکاریوں کا مرکز تجویز کیا اور زندگی کے تمام شعبوں سے اسلام کی روح نکالنے کے بے پناہ منصوبے کئے گئے۔ مگر مشیت ایزدی اس دشمن ازلی کی ہاؤ ہو پر حقارت سے تبسم کناں ہوئی۔ اور حضرت لاہوری قدس سرہٗ جن کو امروٹ اور دین پور کے خدائی آدم گروں نے اپنی روحانی پھونکوں سے کندن بنا دیا تھا۔ فقط اپنے ازلی فیصلے کی تکمیل کے لئے لاہور جیسے اُم القریٰ میں لا کھڑا کیا۔ فرعون مصر اور اس کے مشیروں کی طرح فرعون برطانیہ اور اس کے ہم نشینوں کا خیال کتنا غلط ثابت ہوا کہ شاید اس مجاہد اکبر کی حریت کا جذبہ مروت کی چھینٹوں سے مات پڑ جائیگا مگر ان کو کیا خبر تھی کہ یہ کلیم دوراں، عصائے موسوی اور ید بیضا کی جلالی اور جمالی عظمتوں سے نوازا گیا ہے اور ایک نہ ایک دن اپنے قافلے کو رود نیل سے بہزار سلامتی کے ساحل مراد تک پہنچانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لہذا باطل کی تمام تر طاقتوں نے بابائے حریت کی پچاس سالہ مجاہدانہ زندگی میں حصار اسلام پر بارہا حملے کئے۔ مگر ہر موقعہ پر منہ کی کھائی۔ ہزاروں جھکڑوں نے اس شمع رشد و ہدایت کے علمبردار کو شکست دینے کی کوشش کی۔ مگر اس منہاج نبوت پر چلنے والے اولوالعزم نے اپنی الہامی قوتوں سے اپنے قافلے کو رواں دواں رکھا۔ اور منزل مقصود تک پہنچا کر چھوڑا۔ علامہ اقبال مرحوم نے انجمن حمایت اسلام کے چند ایک اجلاس میں اس مجاہد کبیر کی جبین موسوی پر نگاہ ڈال کر بیساختہ فرمایا تھا ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جسکو بخشے ہیں حق نے انداز خسروانہ

اس موقعہ پر حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہٗ کی عظمت جوہر کا ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقعہ پر حضرت امروٹیؒ کو کسی تقریب پر اپنے ہاں مدعو فرمایا۔ حضرت امروٹیؒ کے تمام جسم پر اس وقت پھوڑے نکلے ہوئے تھے اور یہ اس زہر کا اثر تھا جو آپ کو انگریزی حکومت کے ہواخواہوں کے ذریعے سے دلوایا گیا تھا۔ اس علالت میں سفر کا وہم و گمان بھی مشکل تھا۔ مگر ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ جلالی قوتوں نے جمالی انوار کے اشاروں کی تعمیل میں ہی اپنی سعادت سمجھی ہے۔ لہذا حضرت امروٹیؒ عازم دین پور شریف ہوئے۔ اگرچہ حضرت دین پوریؒ نے حضرت امروٹیؒ کو دین پور گاؤں تک پہنچانے کے لئے اسٹیشن پر آدمی بھیجے ہوئے تھے۔ مگر آپ کوئی اور چار آدمیوں کے سہارے سے وہاں پہنچ گئے۔ مسجد میں معتقدین کا بڑا اجتماع تھا حضرت امروٹیؒ کو حسب ارشاد اب منبر کے پاس لانے کی بھی چند خدام نے سعادت حاصل کی۔ اور آپ نے منبر پر بیٹھ کر محمد رسول اللہ۔ والذین معہ ... الخ کی تلاوت فرمائی۔ اور لوگوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا۔ بھائیو! آپ حضرات کو خیال ہوگا کہ میری بیوی اور بچہ فوت ہو چکا ہے۔ مجھ کو ان کی جدائی کا غم ہوگا۔ خدا شاہد ہے کہ مجھ کو اپنی بیوی اور بچے کا غم نہیں ہے بلکہ دین احمدؐ کا غم ہے ؎

بے کسے شد دین احمد ہیچ اُو را یار نیست
ہر کسے با کار خود با دین احمد کار نیست

اللہ۔ اللہ! اس وقت اس الہامی آواز کے بلند کرنے والے مجاہد اسلام نے مجمع پر تہورانہ نگاہیں ڈالیں۔ اور تمام حاضرین چشم زدن میں بے ہوش پڑے تھے۔ کچھ وقت کے بعد جب چار آدمیوں نے آپ کو منبر سے اتارا۔ تو آپ حضرت لاہوری کو مخاطب کر کے فرما رہے تھے۔ بیٹا احمد علی تم پان چبو (بیٹا احمد علی شروع میں نے کر دیا ہے اب تکمیل تم کرو) بالفاظ دیگر حضرت امروٹیؒ اور حضرت دین پوری جیسے وحید العصر جلالی اور جمالی ظہورات کے حامل اپنے مناصب جلیلہ کی تکمیل کے لئے حضرت لاہوری قدس سرہٗ کو منتخب فرماتے تھے۔

سبحان اللہ! حضرت امروٹیؒ دین پور شریف میں حاضر ہو کر فرمایا کرتے تھے۔ کہ میرا جلال دین پور شریف کے جمال فروز ماحول میں مات پڑ جاتا ہے۔

حضرت امروٹیؒ کا ایک واقعہ اس وقت حسن خاتمہ کا باعث ہوگا۔ انگریزوں نے سندھ میں ایک نہر نکالنے کی تجویز کی۔ رستے میں ایک مسجد پڑتی تھی۔ لوگوں نے حضرت امروٹی سے جا کر یہ معاملہ پیش کیا۔ فرمایا کہ مجھ کو وہاں لے چلو۔ آپ اپنے مجاہدین سمیت اُس مسجد میں چلے گئے۔ انگریزوں کا تہیہ تھا کہ حضرت امروٹیؒ کو اپنے عزم میں کسی نہ کسی طرح باز رکھا جائے۔ لہذا اُس کے چند آدمی وفد کے طور پر حاضر ہونے کے لئے مسجد کے پاس آ رہے تھے۔ آپ کے درویشوں میں سے ایک کے ساتھ یوں ہمکلام ہوتے

افراد وفد:۔ تمہارا نام کیا ہے؟
مجاہد:۔ میرا نام تلوار ہے۔
سوال:۔ کیا کام کرتے ہو؟
جواب:۔ جہاد فی سبیل اللہ
سوال:۔ کہاں رہتے ہو؟
جواب:۔ فنا کے ٹیلے پر۔
سوال:۔ تمہارے پاس سامان کیا ہے؟
جواب:۔ بھنے ہوئے چنے۔
سوال:۔ کس کے ساتھ ہو؟
جواب:۔ وہ ہمارے شیخ بیٹھے ہوئے ہیں ان سے دریافت کرو۔

افراد وفد حضرت امروٹیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنا مقصد عرض کیا۔ فرمایا مسجد خدا کا گھر ہے اور ہم اس گھر کے پاسبان بنائے گئے ہیں۔ فرشتگان قضا و قدر اس وقت پکار رہے تھے ؎

علی الصبح چوں مرداں بکار و بار روند
بلاکشان محبت بکوئے یار روند

ایم۔ عبدالرحمن لودھیانوی۔ شیخوپورہ

مسئلہ تثلیث کا بطلان

عیسائیوں کا عام عقیدہ یہی ہے کہ اللہ، روح القدس (جبرائیل) اور حضرت مسیح تینوں خدا ہیں یا مسیح، مریم اور اللہ تینوں خدا ہیں۔ العیاذ باللہ۔ اُن میں کا ایک حصہ دار اللہ ہُوا۔ پھر وہ تینوں ایک اور وہ ایک تین ہیں اس خلاف عقل اور صاف عقیدہ کو عجیب گول مول اور پیچدار عبارتوں سے ادا کرتے ہیں اور جب کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو ایک ماوراء العقل حقیقت قرار دیتے ہیں۔

توحید در تثلیث ایک ایسا معمہ ہے جس کو اس کا بڑے سے بڑا پادری یا فلسفی آج تک نہ سمجھ سکا ہے اور نہ سمجھا سکا ہے اور نہ کسی ادنیٰ عیسائی کی سمجھ میں عقلاً آ سکتا ہے۔ کہ تین اکائیاں مل کر ایک ہو جاتی ہیں۔ وہ یہی کہے گا کہ تین مل کر تین ہوتے ہیں نہ کہ ایک۔ اور یہ ایک عددی بدیہی حقیقت ہے جس پر دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں پھر عیسائیوں کا ایک فرقہ اسی عقیدۂ تثلیث کی تبلیغ کرتا ہے۔ اور اسی خلاف عقل عقیدہ کو باور کرانے پر مُصر ہے کہ باپ، بیٹا اور روح القدس تینوں ہستیاں مل کر ایک خدا ہو جاتا ہے اور یہ تینوں مل کر تین بھی ہیں اور ایک بھی۔

مسیحی تعلیم یہی ہے کہ خدائی میں تین شخص ہیں۔ (۱) باپ (۲) بیٹا (۳) روح القدس۔ خدا اس پاک تثلیث کا پہلا فرد ہے جو بیٹے اور روح القدس کا آغاز ہے یہ تینوں افراد آپس میں بالکل برابر ہیں اُن میں کچھ فرق نہیں اس لئے تینوں افراد یکساں الٰہی عزت کے لائق ہیں۔ یسوع مسیح سچا خدا اور سچا آدمی بھی ہے اور مقدسہ مریم سچ مچ خدا کی ماں بنیں۔ باپ خاص کر قادر مطلق اس لئے نہیں کہلاتا کہ وہ زیادہ قدرت والا ہے بلکہ اس لئے کہ پاک نوشتوں میں قدرت باپ کی، دانائی بیٹے کی اور پاکیزگی روح القدس کی کہلاتی ہے۔

(مسیحی تعلیم باب پاک تثلیث)

پھر لطف یہ ہے کہ جب سوال کیا جاتا ہے کہ کیا ہم سمجھ سکتے ہیں کہ خدائی میں تین افراد کیسے ہیں؟ تو جواب ملتا ہے کہ ہم ٹھیک نہیں سمجھ سکتے کیونکہ ایمان کا یہ ایک بھید ہے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس توحید در تثلیث کو کوئی ایک منٹ کے لئے بھی مان سکتا ہے؟ ایک بے وقوف سے بے وقوف بھی اس عددی بدیہی حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ تین مل کر تین ہی ہوتے ہیں نہ کہ ایک۔

قرآن کہتا ہے۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔

(پ ۶ - ع ۱۴)

ترجمہ:۔ بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ تین میں کا ایک ہے حالانکہ سوائے ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں۔

عیسائیوں کے ایمان باللہ کا حال یہ ہے کہ عقل کے خلاف، فطرت سلیمہ کے خلاف اور خود حضرت مسیح کی تصریحات کے خلاف مسیح ابن مریم کو خدا بنا دیا۔ ایک تین اور تین ایک کی بھول بھلیاں تو محض برائے نام ہیں۔ حقیقتاً سارا زور و قوت صرف حضرت مسیح کی الوہیت ثابت کرنے پر صرف کیا جاتا ہے۔ حالانکہ خود حضرت مسیحؑ خدا کے رب ہونے اور دوسرے آدمیوں کی طرح اپنے مربوب ہونے کا اعلانیہ اعتراف فرما رہے ہیں اور جس شرک میں ان کی امت مبتلا ہونے والی تھی اس کی برائی کس زور شور سے بیان کر رہے ہیں۔ پھر بھی ان اندھوں کو عبرت نہیں ہوتی۔

مسیح ابن مریم ایک رسول ہیں اس سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ اور اس کی ماں ولی ہے۔ دونوں کھانا کھاتے ہیں۔

جو شخص کھانے پینے کا محتاج ہے وہ تقریباً دنیا کی ہر چیز کا محتاج ہے ہوا، پانی، سورج، حیوانات حتیٰ کہ غلاظت اور کھاد سے بھی اُسے استثنا نہیں ہو سکتا۔ غلّہ کے پیٹ میں پہنچنے اور ہضم ہونے تک خیال کرو۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ کتنی چیزوں کی ضرورت ہے پھر کھانے سے جو اثرات و نتائج پیدا ہوں گے اُن کا سلسلہ کہاں تک جاتا ہے احتیاج و افتقار کے اس طویل سلسلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم الوہیت مسیح و مریم کے ابطال کو بشکل استدلال یوں بیان کر سکتے ہیں کہ مسیح و مریم کھانے پینے کی ضروریات سے بے پروا نہ تھے۔ جو مشاہدہ اور تواتر سے ثابت ہے اور جو کھانے پینے سے مستغنی نہ ہو وہ دنیا کی کسی چیز سے بے پروا نہیں ہو سکتا پھر تم ہی کہو کہ جو ذات تمام انسانوں کی طرح اپنی بقاء میں عالم اسباب سے مستغنی نہ ہو وہ خدا کیوں کر بن سکتی ہے۔ یہ ایسی قوی اور واضح دلیل ہے جسے عالم و جاہل یکساں طور پر سمجھ سکتے ہیں یعنی کھانا پینا الوہیت کے کے منافی ہے اگرچہ نہ کھانا الوہیت کی کی دلیل نہیں ورنہ سارے فرشتے خدا بن جاتے۔

(حضرت مولانا عثمانیؒ)

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ

(پ ۶ - ع ۱۴)

ترجمہ:۔ مسیح ابن مریم تو صرف رسول ہے جو اس سے پہلے بھی بہت رسول گذر چکے ہیں اور اس کی ماں پاک دامنہ ہے دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔

قرآن اس خراب اور فاسد عقیدہ پر چند دلائل بیان کرتا ہے۔

۱۔ یہ بات کہ خدا ایک ہے۔ تمام انبیائے سابقین اور عقل اور خود مسیح کی شہادت سے ثابت ہے جو اناجیل مروجہ میں بھی اب تک پائی جاتی ہے اور تثلیث اس توحید کی صریح نقیض ہے۔ پس اس کے بطلان میں اب کیا کلام باقی

ہے۔ اس کے جواب میں بعض پادری کبھی ان تینوں اقانیم کو صفات کہتے ہیں کبھی کبھی مراتب اجمال و تفصیل قرار دیتے ہیں۔ مگر ان کے وجود مستقل ماننے اور باہم علّت و معلول قرار دینے نے سب توجیہات کو باطل کر رکھا ہے۔

۲۔ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ط کہ "اور رسولوں سے مسیح میں کوئی بات زائد نہ تھی"۔ پھر جب وہ خدا یا خدائی کا جزو نہیں تو یہ کیونکر ہو گئے؟ اور بغیر باپ کے پیدا ہونا۔ تو آدمؑ بغیر باپ اور ماں کے پیدا ہوئے تھے۔ اگر مردہ زندہ کرنا تو حضرت الیاسؑ کا لڑکے کو زندہ کرنا موجود ہے۔ اگر خدا کا بندہ کہلانا تو اس لفظ کا اطلاق اور بھی سینکڑوں پہ بائبل میں ہوا ہے۔

۳۔ اُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ ط کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ۔ جس کی ماں ہوگی وہ تو ضرور حادث ہوگا اور حادث نہ خدا ہے نہ خدا کا جزو، اور عیسیٰؑ کی ماں مریمؑ تھی۔ دونوں کا کھانا کھانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بھوک اور پیاس کو دفع نہ کر سکتے تھے۔ کھانے کے محتاج تھے اور اللہ کسی شے کا محتاج نہیں۔ وہ تو صَمَد ہے اور یہ تاویل کچھ مفید نہیں کہ مسیحؑ میں الوہیت اور انسانیت جمع تھی۔

۴۔ ایک اور دلیل یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے مقابلہ میں ایسی ذکر فرماتا ہے جس سے اللہ کے سوا تمام چیزوں کا معبود ہونا باطل ہوتا ہے وہ یہ کہ معبود وہ ہونا چاہئے جو نفع و ضرر کا مالک ہو اور یہی بات ہے کہ جس سے کسی کی عبادت اور اطاعت کی جاتی ہے۔ حضرت مسیحؑ اور عُزیرؑ اور مشرکین کے فرضی خدا نہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ ضرر۔ کیونکہ جب وہ اپنے ضرر کو دفع نہیں کر سکتے (مسیحؑ نے بقول نصاریٰ صلیب پر چیخ چیخ کر جان دی اور ایلی ایلی پکارا گئے) تو دوسروں کا ضرر کیا دفع کریں گے۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ سے ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ تک اس دلیل کی طرف اشارہ ہے۔ پھر اہل کتاب سے خطاب کرتا ہے کہ تم اپنے دین میں غُلُوْ یعنی زیادتی نہ کرو۔ اور اپنے سے پہلے گمراہ قوموں کی پیروی نہ کرو جو خود بھی گمراہ ہو چکیں اور لوگوں کو گمراہ کرتی تھیں جیسا کہ اُور، بابل اور نینوا کے بُت پرست اور دراصل انہیں قوموں کے رسم و رواج نے اہل کتاب کو تباہ کیا۔ اور پھر یونان اور روم کی بت پرست قوموں کی صحبت نے عیسائیوں کو خراب کیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کے اوپر جو انبیاء علیہم السلام کی طرف سے پھٹکار پڑی اس کو جتلا کر یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ یہ قوم قدیم سے سرکش اور کج رائے ہے۔

جمہور مفسرین کے نزدیک بنی اسرائیل کے سرکشوں پر داؤدؑ کی زبان سے لعنت کرنے سے مراد اصحاب السبت پر لعنت کرنا ہے۔ جنہوں نے ہفتہ کے روز ایلہ کے قریب سمندر کے کنارے زمانہ داؤدؑ میں شکار کیا جس سے اُن پر پھٹکار پڑی۔ اور حضرت عیسیٰؑ کی زبانی ان یہود پر لعنت ہوئی کہ جو مائدہ کا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔

(حقانی)

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ط وَاللّٰہُ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

(پ ۶ - ع ۱۴)

ترجمہ:۔ "اے نبی! ان سے کہو کہ تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو کہ جو تمہیں نہ ضرر دے سکتی ہیں نہ کچھ نفع حالانکہ وہی سنتا اور جانتا ہے" اور کہو کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق کی زیادتی نہ کرو اور نہ اس قوم کی خواہشوں پر چلو کہ جو اس سے پہلے خود گمراہ ہو چکیں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر چکیں۔ اور سیدھے راستہ سے بہک چکی ہیں۔ حضرت مسیحؑ اُسی مقدس اور معصوم جماعتِ انبیاء کے فرد ہیں۔ انہیں خدا بنا لینا تمہاری بیوقوفی ہے۔

جملہ امت کی تحقیق یہی ہے کہ خواتین میں نبوت نہیں آتی۔ مریمؑ تو نبیہ بھی نہیں ہیں۔ چہ جائیکہ جزوِ خدا۔ حضرت مریم بتول بھی ایک ولی بی بی تھیں نبی نہ تھیں۔

جب مسیحؑ کو خدا کہا تو لازم ہے کہ معبود بھی کہو۔ مگر معبود بننا اُسی ذات کے ساتھ مختص ہے جو ہر قسم کے نفع و ضرر کا مالک اور پورا با اختیار ہو۔ کیونکہ عبادت انتہائی تذلّل کا نام ہے اور انتہائی تذلّل اُسی کے سامنے اختیار کر سکتے ہیں جو انتہائی عزت اور غلبہ رکھنے والا ہو۔ ہر آن سب کی سننے والا اور سب کے اصول کا پوری طرح جاننے والا ہو۔

اس میں تثلیث کے عقیدۂ شرکیہ کے ساتھ تمام مشرکین کا ردّ ہو گیا۔ عقیدہ کا مبالغہ یہ ہے کہ ایک مولودِ بشری کو خدا بنا دینا۔ نصاریٰ نے تعظیم میں اس قدر غلو کیا کہ ان میں سے بعض کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ اور ترک دنیا اختیار کر کے رہبانیت اختیار کر لی۔ اصل انجیل اور کتب سماویہ میں اس عقیدۂ شرکیہ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ بعد میں یونانی بت پرستوں کی تقلید میں پولوس نے ایجاد کیا اُسی پر سب چل پڑے اور اسی پر جمے رہے ایسی اندھی تقلید سے نجات کی توقع رکھنا کسی عاقل کو زیبا نہیں۔

اُنْظُرْ کَیْفَ نُبَیِّنُ لَھُمُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ

ترجمہ:۔ دیکھئے تو ہم کیونکر اُن سے صاف دلائل بیان کرتے ہیں اور پھر دیکھئے کہ وہ اُلٹے کدھر جا رہے ہیں

ان نہ ماننے والے عیسائیوں کی عقل پر ماتم کیا جائے یا یہ سمجھا جائے کہ باوجود عقلاً ماننے کے کہ دونوں ہستیاں خدا نہیں ہو سکتیں اور تین ہستیاں مل کر ایک خدا نہیں ہو سکتا پھر بھی تعصب اور عناد کی وجہ سے حقیقت و سچائی سے انکار کر رہے ہیں کیونکہ دلیل تو بالکل صاف اور بے غبار ہے۔

تو اب تھوڑی دیر کے لئے سوچئے کہ ایسا بے عقلی کا عقیدہ رکھنے والوں کی تقلید ہم مسلمانوں میں سے جو بھی کرے وہ اپنی مذہبی ناواقفیت ہی کی وجہ سے کرے گا۔

فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ

اے محمدؐ! کتاب میں مریم و مسیح کا حال سنا کر کہہ دو کہ میرا اور تمہارا سب کا رب اللہ ہے صرف اُسی کی بندگی کرو۔ بیٹے، پوتے مت بناؤ۔ سیدھی راہ توحیدِ خالص کی ہے جس میں کچھ اینچ پینچ نہیں۔ سب انبیاء اسی کی

(باقی صہ ۱۳ پر)

محمد شفیع عمرالدین (سانگھڑ)

دنیا و آخرت

حضرت سیدنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا یہ ہے
اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا۔

(ترجمہ۔ الٰہی! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی روزی بقدر زیست کر۔

(ف) یعنی اتنی روزی دے۔ جس میں حیات کی رمق باقی رہے۔ مال کی بہتات نہ ہو۔ اس واسطے کہ کشائش رزق میں اکثر غفلت ہوتی ہے۔ اور صبر کا مرتبہ حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضور کی حیات میں ایسا ہی حال رہا۔ اور حضور کے بعد حضور کی بیبیاںؓ اور آپ کی اولاد بھی اختیاری فقر کو لئے رہے۔ شمائل ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ کہ حضرت نے زندگی بھر ایک دن میں دونوں وقت روٹی نہ کھائی۔ اور نہ کبھی دونوں وقت گوشت کھایا۔
(مشارق الانوار بحوالہ بخاری ومسلم)

آخرت کی زندگی

لہٰذا بندے کو چاہیے۔ کہ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی زندگی کو نہ بھولے۔ جو بہترین اور سدا رہنے والی ہے۔

۱۔ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ
(النحل ایت ۳۰)

ترجمہ۔ اور البتہ آخرت کا گھر تو بہت ہی بہتر ہے۔

۲ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ۔ اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے۔ اور اصل زندگی عالم آخرت کی ہے۔ کاش وہ سمجھتے

یعنی

آدمی کو چاہیے یہاں کی چند روزہ زندگی سے زیادہ آخرت کی فکر کرے۔ کہ اصلی و دائمی زندگی وہ ہی ہے۔ دنیا کے کھیل تماشے میں غرق ہوکر عاقبت کو بھول نہ بیٹھے۔ بلکہ یہاں رہ کر وہاں کی تیاری اور سفر آخرت کے لئے توشہ درست کرے۔
(حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ)

لہٰذا

اگر دنیا بقدر قوت لا یموت حاصل ہو جائے تو زیادہ حریص نہ بننا چاہئیے۔ بلکہ آخرت کے کام میں لگے رہنا چاہیے۔ مگر بندے کی بھی عجیب حالت ہے وہ آخرت کو فراموش کرتا ہے اور دنیا کا حریص بن جاتا ہے۔
تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ط
(انفال۔ آیت ۶۷)

ترجمہ۔ تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت کا ارادہ کرتا ہے

دنیا کا طالب

۱ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝
(القیمة ایت ۲۰-۲۱)

ترجمہ۔ تم تو دنیا چاہتے ہو اور آخرت کو چھوڑتے ہو

"ہم نے نجات آخرت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تعلیم دی ہے کہ تم لوگ دنیا چاہتے ہو۔ اور آخرت کو چھوڑتے ہو۔
(حضرت شیخ التفسیر مدظلہٗ)

۲ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝ (الدھر آیت ۲۷)

ترجمہ۔ بے شک یہ لوگ دنیا چاہتے ہیں۔ اور اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو چھوڑتے ہیں۔

یہ بندے کی غفلت ہے کہ آخرت کو فراموش کرکے جلدی حاصل ہونے والی چیز (یعنی دنیا) کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

مگر دنیا کے طالب کو دنیا بھی مقدر سے زیادہ نہیں مل سکتی

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل۔ آیت ۱۸)

ترجمہ۔ جو کوئی دنیا چاہتا ہے۔ تو ہم اسے سرِ دست دنیا سے جس قدر چاہتے ہیں۔ دیتے ہیں۔ پھر ہم نے اس کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ جس میں ذلیل و خوار ہو کر گرے گا۔

یعنی

ضروری نہیں کہ ہر عاشق دنیا کو فوراً ہلاک کر دیا جائے۔ نہیں۔ ہم ان لوگوں میں سے جو صرف متاع دنیا کے لئے سرگرداں ہیں جس کو چاہیں اور جس قدر چاہیں اپنی حکمت و مصلحت کے موافق دنیا کا سامان دے دیتے ہیں۔ تاکہ اُن کی جد و جہد اور فانی نیکیوں کا فانی پھل مل جائے۔ اور اگر آخری سعادت مقدر نہیں تو شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لبریز ہوکر نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ دوزخ کے ابدی جیل خانہ میں

دھکیل دیئے جائیں گے۔
(حضرت مولانا عثمانیؒ)

ایک بہت بڑے سرمایہ دار کے واقعہ سے عبرت حاصل کرو

یہ واقعہ قارون کا ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مال و دھن اس قدر وافر عطا فرمایا تھا۔ کہ اس کے خزانوں کی کنجیاں کئی طاقتور مزدور اٹھانے سے تھک جاتے تھے۔ اور وہ مال و دولت کے نشہ میں متکبر اور سرکش بن گیا۔ قوم کے بہی خواہ اور نیک حضرات نے اسے سمجھایا کہ

لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ (القصص آیت ۷۶)

ترجمہ۔ اترا مت بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

نیز انہوں نے مال و دولت کے صحیح مصرف کی طرف اس کی توجہ مبذول کی۔

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (القصص آیت ۷۷)

ترجمہ۔ اور جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر حاصل کر۔ اور اپنا حصہ دنیا میں نہ بھول اور بھلائی کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے۔

یعنی

"جو اللہ تعالیٰ کی با افراط نعمتیں تیرے پاس ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے کاموں میں خرچ کر۔ تاکہ آخرت میں بھی تیرا حصہ ہو جائے۔

بے شک تو اپنا حصہ دنیا میں نہ بھول۔ یعنی شرعی طریقہ سے جائز امور میں خرچ کر کے شریعت کے مطابق کھا، پی، پہن، گھر بنا، نکاح کر۔ مگر تجھ پر اللہ تعالیٰ کے بھی حقوق ہیں (مثلاً فرض زکوٰۃ وغیرہ دینا) تیرے اپنے نفس کا بھی حق ہے (کہ اسے کھانے پینے پہننے کو دیا جائے) تیرے بال بچوں کا بھی حق ہے (کہ اس سے ان کی پرورش بھی کی جائے) اور مہمان کا بھی حق ہے۔ (کہ اس کی بھی خبرگیری کی جائے) اس لئے ہر حقدار کا حق (اللہ کے عطا کردہ مال سے) ادا کرنا چاہئے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے۔ اور تجھے مال و دولت کی نعمت سے نوازا ہے۔ تو بھی اسی طرح مخلوق خدا کیساتھ بھلائی کر" (تفسیر ابن کثیرؒ)

مال کا بہترین مصرف بتلانے کے بعد اسے مزید نصیحت کی۔

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (قصص آیت ۷۷)

ترجمہ۔ اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو۔ بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

یعنی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کی مخالفت کر کے فسادی نہ بن مال و دولت کو اپنی من مانی خواہش کے مطابق غیر شرعی طریقہ سے استعمال نہ کر۔ اللہ تعالیٰ سے ڈر۔ اللہ تعالیٰ بغاوت اور فساد کرنے والوں کو نہیں چاہتا جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف چلے گا۔ وہ زیان کار ہوگا۔ یہ نصیحت سن کر

قارون کا جواب

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ (قصص آیت ۷۸)

ترجمہ۔ کہا یہ تو مجھے ایک ہنر سے ملا ہے۔ جو میرے پاس ہے

یعنی

میں ہنر مند تھا۔ کمانے کا سلیقہ رکھتا تھا۔ اپنی لیاقت و قابلیت یا کسی خاص علمی مہارت سے مجھے یہ دولت حاصل ہوئی ہے اللہ نے میری لیاقت کو دیکھ کر اور قابل جان کر یہ کچھ دیا ہے۔ کیا یونہی بیٹھے بٹھائے بے محنت مل گیا ہے۔ کہ موسیٰ کے حکم اور تمہارے مشورہ کے موافق خدا کے نام پر خرچ کر ڈالوں"۔ (حضرت مولانا عثمانیؒ)

الحاصل اس کی سرکشی اور منعم حقیقی کو بھول کر اپنے علم پر ناز اور غرور کرنے کا نتیجہ بربادی کی صورت میں نمودار ہوا۔ پھر نہ یہ مال سمیٹنے والا رہا۔ نہ اس کا مال رہا۔ نہ اس کے وہ محلات رہے۔ جن میں وہ رہتا تھا۔ سب کچھ برباد ہو گیا اس کا نام و نشان مٹ گیا۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ (قصص آیت ۸۱)

ترجمہ۔ پھر ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔

مقام عبرت

اس بربادی کے وقت اس کا مال و دولت، قوت، یار و دوست، علم و ہنر اور تدبیریں سب ناکام رہیں۔

فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ (قصص آیت ۸۲)

ترجمہ۔ پھر اس کی ایسی کوئی جماعت نہ تھی جو اسے اللہ سے بچا لیتی اور نہ وہ بچ سکا

یہ اس بڑے سرمایہ دار کا حال آپنے دیکھا۔ جو کل یہ نعرہ لگا رہا تھا۔ کہ مجھے یہ مال و دولت ایک ہنر سے ملا ہے۔ وہ ہنر آج کدھر گیا؟

فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ (حشر آیت ۲)

ترجمہ۔ پس اے آنکھوں والو! عبرت پکڑو

دنیا کی غرض سے دین اختیار کرنا

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝ (الحج آیت ۱۱)

ترجمہ - اور بعض وہ لوگ ہیں - کہ اللہ کی بندگی کنارے پر ہو کر کرتے ہیں - پھر اگر اسے کچھ فائدہ پہنچ گیا - تو اس عبادت پر قائم ہو گیا اور تکلیف پہنچ گئی تو منہ کے بل پھر گیا - دنیا اور آخرت گنوائی یہی وہ صریح خسارہ ہے

یعنی

بعض آدمی محض دنیا کی غرض سے دین کو اختیار کرتا ہے - اور اس کا دل مذبذب رہتا ہے - اگر دین میں داخل ہو کر دنیا کی بھلائی دیکھے، بظاہر بندگی پر قائم رہے - اور تکلیف پائے تو چھوڑ دے

اُدھر دنیا گئی - اِدھر دین گیا

کنارے

پر کھڑا ہے - یعنی دل ابھی اِس طرف ہے نہ اُس طرف - جیسا کوئی مکان کے کنارے پر کھڑا ہو جب چاہے بھاگ نکلے"

(حضرت مولانا عثمانیؒ)

بندے کو چاہئے کہ دل کو مذبذب رکھنے کی بجائے اس میں اخلاص اور استقامت پیدا کرے - جس پر علام الغیوب کی نظر ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى اَجْسَامِكُمْ وَصُوَرِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ (رواہ مسلم)

ترجمہ - اللہ تعالٰے تمہارے جسموں اور صورتوں کو نہیں دیکھتا - بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے

اس لئے

بندے کو اخلاص کے ساتھ آخرت میں کام آنے والے کاموں میں لگے رہنا چاہئے -

طالب آخرت کا پروگرام

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

(بنی اسرائیل آیت ۱۹)

ترجمہ - اور جو آخرت چاہتا ہے اور اس کے لئے مناسب کوشش بھی کرتا ہے - اور وہ مومن بھی ہے - تو ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی آخرت کے طالب کو چاہیے کہ اول ایمان لائے -

پھر ایمان لانے کے بعد عملی دوڑ دھوپ کرے - نیک اعمال بجا لاتا رہے -

نیک اعمال اور عملی کوشش کا نتیجہ قیامت کے دن ظاہر ہوگا

۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝

(الغاشیة ایت ۸ تا ۱۶)

ترجمہ - کئی منہ اس دن ہشاش بشاش ہوں گے - اپنی کوشش سے راضی ہونگے اُونچے باغ میں ہونگے وہاں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے - وہاں ایک چشمہ جاری ہوگا وہاں اونچے اونچے تخت ہوں گے - اور آبخورے سامنے چنے ہوئے - اور گاؤ تکئے قطار سے لگے ہوئے - اور مخملی فرش بچھے ہوئے -

۲ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۝ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۝ (آیت ۳۹-۴۲ النجم)

ترجمہ - اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے - جو کرتا ہے - اور یہ کہ اس کی کوشش جلد دیکھی جائے گی پھر اسے پورا بدلہ دیا جائے گا - اور یہ کہ سب کو آپ کے رب ہی کی طرف پہنچنا ہے

دعا

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (البقرة آیت ۲۰۱)

ترجمہ - اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا

آمین یا الہ العالمین

بقیہ صفحہ ۱ مسئلہ تثلیث کا بطلان

طرف ہدایت کرتے آئے لیکن لوگوں نے بہت سے فرقے بنا لئے - سو جو لوگ توحید کا انکار کر رہے ہیں انہیں قیامت کے دن کی تباہی سے خبردار رہنا چاہئے جو پیش آنے والی ہے - اگر عیسائی خدا کو باپ اور مریمؑ کو ماں کہتے ہیں تو معاذ اللہ دوسرے تعلقات زنا شوئی کا بھی اقرار کریں گے -

جناب محمد مقبول عالم صاحب بی۔ اے لاہور

امام ولی اللہ دہلوی رح

کے فلسفے پر ایک نظر

امام ولی اللہ رح دہلوی کی زندگی اور اُن کی تحریک کے مختصر حالات۱؎ پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ اب ہم اُن کے فکر اور فلسفے کا تعارف کراتے ہیں

حضرت امام رح اپنے فلسفے میں تین امور پر بحث کرتے ہیں :-

۱- انسان کیا ہے ؟

۲- کائنات کیا ہے ؟ — اور

۳- خدا کیا ہے ؟

فردِ انسانی

انسان کیا ہے ؟ اس سلسلے میں وہ انسان کا امتیاز حیوانات پر بیان کرتے ہیں- اور انسان کے وہ خاصے بیان کرتے ہیں جن کی وجہ سے وہ حیوانات سے متمیز ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں :-

۱- رائے کلی

اس سے مراد یہ ہے کہ انسان انسانی فرد کی حیثیت کی بجائے انسانی اجتماع کے رنگ میں سوچتا ہے۔ مثلاً وہ کوشش کرتا ہے کہ شہر میں اچھا نظام پیدا کرے یا اپنے اخلاق کی تکمیل اجتماع میں رہ کر کرے۔ یہ خاصہ انسانی اجتماع کی تخلیق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

۲- حبّ جمال

اس کی وجہ سے انسان کھانے پینے رہنے سہنے اور لباس وغیرہ میں خوبیاں اور خوبصورتیاں پیدا کرکے ترقی کرتا ہے۔

۳- عقل و درایت

اس کی تشریح یوں ہے کہ انسان اپنی ارتفاقی زندگی (سوشل لائف) میں مشکلات سے دوچار ہوتا ہے تو عقل ان مشکلات کا احساس دلاتی ہے۔ اور درایت ان کے حل کی طرف راہ نمائی کرتی ہے۔ اس طرح انسان ایجادات اور انکشافات کی راہ پر ہو لیا یہاں تک کہ اٹھارہویں صدی میں اس نے بڑی بڑی مشینیں ایجاد کرلیں اور اب تو وہ چاند اور مریخ پر کمندیں ڈالنے کا داعیہ رکھتا ہے ان کی تکمیل سے انسان دنیا میں ترقی کرتا ہے۔ اور ان کے مٹنے سے انسان گرتا ہے

انسان کے اندر حیوانی پہلو بھی ہے اور فرشتوں جیسا پہلو بھی۔ جسے وہ بہیمیّت اور ملکیّت کہتے ہیں۔ انسان کی سعادت یہ ہے کہ وہ ملکی پہلو یعنی ملکیّت کو اپنے حیوانی پہلو یعنی بہیمیت پر غالب کرکے رکھے۔ اور ایسی عملی تدابیر اختیار کرے۔ جن سے اس کی ملکیت میں طاقت آئے۔ اور بہیمیت کمزور ہو جائے۔ اور ان اعمال سے بچے جن سے ملکیت کمزور ہو اور بہیمیّت میں تیزی اور تندی آئے — شریعت الٰہیہ کے سارے اوامر و نواہی کی یہی حکمت ہے۔ ان سے گھبرانے کی ضرورت نہیں یہ تو انسانیت کی ترقی و تکمیل کے لئے نہایت مفید ہیں۔

حضرت امام فرماتے ہیں کہ ملکیّة اور بہیمیّة کے اجزاء ہر انسان کے اندر رکھے گئے ہیں۔ لیکن ان کی کمی بیشی سے انسانوں کی کئی قسمیں بن گئی ہیں اور ہر قسم کے اعمال الگ ہو گئے ہیں۔ حکمت شناس لوگ ہر انسان کے اعمال پر غور کرکے اس کی قسم معین کرتے ہیں۔ پھر اس کی اصلاح کرتے ہیں تاکہ اس کی ملکیت غالب آ جائے۔ بہیمیت مغلوب ہو جائے اور وہ انسانیت پر قائم ہو جائے۔ زیادہ نہیں تو پاس ہونے کے نمبر تو حاصل کر سکے۔

حضرت امام اس طرح انسانی نفسیات پر بحث کرتے ہیں۔ یہ گویا ایک فرد انسانی پر بحث ہے۔

انسانی اجتماع

اس سے آگے وہ بیان فرماتے ہیں کہ انسان اجتماع پیدا کرتا ہے۔ یہ اس کا طبعی خاصہ ہے اور اس کے اندر رہ کر زندگی بسر کرتا ہے۔ انسانی زندگی میں جو مشکلات پیش آتی ہیں۔ انہیں حل کرنے کے لئے جو ایجادات کرتا ہے انہیں ارتفاقات کہتے ہیں۔ یہ دو قسم کے ہیں :-

ایک وہ ارتفاقات ہیں جن کا تعلق اس کی مادی زندگی کے ساتھ ہے — انہیں ارتفاقاتِ معاشیہ کہتے ہیں۔

دوسرے وہ ارتفاقات ہیں جن کا تعلق انسان کی بالا عقلی زندگی کے ساتھ ہے انہیں ارتفاقاتِ عقلیہ کہتے ہیں۔

ارتفاقات کی منزلیں

جب ایک مرد اور ایک عورت میاں بیوی کی حیثیت سے ملتے ہیں تو اجتماع کی پہلی اکائی پیدا ہو جاتی ہے پھر چند خاندان مل کر چھوٹی سی بستی بناتے ہیں اور مل جل کر رہنے لگتے ہیں۔ یہ انسان کی ارتفاقی زندگی کا آغاز ہے جسے وہ ارتفاق اول کہتے ہیں۔ اس منزل میں انسان نے لباس، خوراک، مکان، زوجہ کی تعیین، برتنوں کا استعمال، حیوانات کی تسخیر اور زبان کی ایجاد کا کام مکمل کیا۔

انسان اس سے آگے بڑھا، تو انسان نے بڑے بڑے شہر آباد کئے اور شہری زندگی کو منظم کیا۔ یہ تمدن کی دوسری منزل یا ارتفاق دوم کہلاتا ہے۔ اس میں ارتفاق اوّل کے طریقوں کو نفاست، صفائی، اخلاق فاضلہ، حسنِ معاشرت، حسنِ مشارکت، رفاہِ عامہ کے اصول اور تجرباتِ صحیحہ کی روشنی میں زیادہ بہتر بنایا گیا۔ اور شہری نظام پیدا کیا گیا۔ جس میں میونسپلٹی کا سارا نظام آ جاتا ہے۔

پھر انسان نے اور آگے ترقی کی تو بہت سے شہر مل کر ایک قومی ریاست بن گئے اور حکومت کا سارا نظام پیدا کیا جس میں فوج، پولیس، عدالتیں، رفاہ عامہ کے کام وغیرہ کے شعبے مکمل ہو گئے۔ یہ ارتفاق سوم ہے۔

۱؎ ملاحظہ ہو خدام الدین مورخہ ۸ رجون ۱۹۶۲ء

جب مختلف قومی ریاستیں جمع ہو گئیں تو ایک بین الاقوامی نظام پیدا ہو گیا یہ ارتفاق چہارم ہے۔

یہاں انسانی تمدن کی ترقی مکمل ہو جاتی ہے اور یہ وہ منزل ہے جسے اللہ تعالےٰ نعمت قرار دیتا ہے۔ (الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی۔ میں جو نعمۃ مذکور ہے وہ یہی ہے) جو قرآن حکیم کے ذریعے انسان پر مکمل کی گئی۔

حضرت امام ولی اللہ دہلوی نے ہر تمدنی منزل کے نظام کے متعلق سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور گھر اور گاؤں کی زندگی سے لے کر بین الاقوامی زندگی کو پیچیدہ منزلوں تک وہ ہدایات دی ہیں جو موجودہ صنعتی اجتماعی دور کے مسائل کو اچھی طرح حل کرتی ہیں یہ ان کا فلسفۂ اجتماعیت ہے۔ جس کی بنیاد انہوں نے خیر القرون کی تعلیمات اور عملیات پر رکھی ہے۔ اس میں معاشیات، سیاسیات، اخلاق اور روحانیت وغیرہ تمام انسانی زندگی کے گوشوں کی خوب نقاب کشائی کی ہے۔ وہ خود تو اس دور کے سرپر یعنی اٹھارھویں صدی کی ابتدا میں بیٹھے ہیں لیکن اپنے فلسفے میں وہ رہنما اصول دیتے ہیں جو اس پورے دور کے مسائل حل کر دیں۔ اس لئے اُن کے افکار ایسے بلند پایہ اور پختہ ہیں کہ ان کی ترقی کے باوجود بیسویں صدی کے حکماء کے افکار اُن کے سامنے ہیچ معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی گواہی وہ لوگ اچھی طرح دے سکتے ہیں جنھوں نے مغربی علوم کا ماہرانہ مطالعہ کیا ہے اور ادھر فلسفہ ولی اللہی کو بھی خوب سمجھا ہے۔

غرض امام ولی اللہ دہلویؒ نے انسان کے متعلق دونوں پہلوؤں سے بحث کی ہے کہ وہ بحیثیت فرد کیا ہے؟ اور بحیثیت اجتماع کیا ہے؟ اور اس سلسلے میں انسانی زندگی کے متعلق تمام مباحث بیان کر گئے ہیں، جن میں دنیا اور آخرت کی ساری زندگی اور اس کے تقاضے آ جاتے ہیں۔ اور ان تمام مباحث میں وہ براہ راست قرن اول، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور سے مواد لیتے ہیں۔

فلسفۂ کائنات

اس کے بعد اُن کے فلسفے کا دوسرا جزو یہ ہے کہ کائنات کیا ہے؟ انسان تو اس بڑی کائنات کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ انسان جہانِ صغیر ہے اور کائنات جہانِ کبیر۔ اسے حضرت امام شخصِ اصغر اور شخصِ اکبر کہتے ہیں انسان کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے کائنات اور کائنات کے ساتھ اس کے تعلق کو بھی سمجھنا پڑتا ہے۔

وہ سب سے پہلے بیان فرماتے ہیں کہ ایجاد عالم کے سلسلے میں اللہ تعالےٰ کی تین صفتیں کارفرما ہیں:-

۱- ابداع۔ یعنی مادے کا پیدا کرنا۔

۲- خلق۔ یعنی مادے سے مختلف اشیاء کا پیدا کرنا۔

۳- تدبیر۔ یعنی اشیا میں ایسے طریقے سے تصرف کرنا کہ ان کے خاصے بھی جدا نہ ہوں اور امرِ مطلوب بھی حاصل ہو جائے۔

پھر وہ تدبیر کے تین شعبے بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ان چار طریقوں سے تدبیر کرتا ہے۔

۱- قبض۔ بعض قوتیں طاقتور ہوتی ہیں ــــ اور امرِ مطلوب کے خلاف کام کرتی ہیں۔ اس لئے انہیں روکا جاتا ہے اسے قبض کہتے ہیں مثلاً حضرت ابراہیمؑ کی چھری کو حضرت اسمٰعیلؑ کا گلا کاٹنے سے روکا گیا۔

۲- بسط۔ یعنی قوتیں کمزور ہوتی ہیں لیکن امرِ مطلوب کے لئے مفید ہوتی ہیں۔ اس لیے اُن میں اور قوت داخل کر کے طاقتور بنا دیا جاتا ہے۔ اسے بسط کہتے ہیں۔ مثلاً حضرت اسمٰعیلؑ نے زمین پر ایڑی رگڑی اور اس معمولی سی رگڑ سے چشمہ جاری ہو گیا۔

۳- احاطہ۔ ایک قوت کو دوسری قوت میں تبدیل کر دینا۔ جیسے برق کو حرارت یا مقناطیس یا روشنی میں بدل دیا جاتا ہے۔

۴- الہام۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے مناسب پیغامات نشر کیے جاتے ہیں۔ انبیاء کی وحی اور دوسرے الہامات اسی ذیل میں آتے ہیں۔ فرشتوں کو بھی ہدایات جاری کی جاتی ہیں۔

اسی سلسلے میں حضرت امام فرماتے ہیں کہ ساری کائنات کا مادہ ایک ہے۔ جسے وجود کہتے ہیں اور وجود کی اصل ایک ہے اسے وحدت الوجود کہتے ہیں دوسرے لفظوں میں کائنات اور اس کی اصل پر غور کر کے توحید باری تعالےٰ کو ثابت کیا ہے۔ آج ماڈرن سائنس بھی ساری کائنات کا مادہ ایک مانتی ہے جس کی اصل ایک ہے۔ یعنی مادہ جسے انیسویں صدی تک کائنات کی آخری شکل سمجھا جاتا تھا اب برق کی منجمد شکل قرار دیا گیا۔ اور بقول حکیم مغرب ایلبرٹ آئن سٹائن حرارت، روشنی، برق، مقناطیس وغیرہ اصل میں قوت (انرجی) کی مختلف شکلیں ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اصل میں کائنات کا وجود (Energy) انرجی سے حاصل ہوا ہے جسے امام ولی اللہ دہلویؒ قوتِ رحمانیہ قرار دیتے ہیں۔ یہیں سے خدا کی ہستی، اس کی توحید اور وحدۃ الوجود کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ "مادے کا ایک حصہ کثیف ہے۔ جس سے یہ عالم ناسوت بنا ہے۔ ایک حصہ لطیف ہے جسے قوت مثالیہ کہتے ہیں۔ اور اس سے عالم مثال بنا ہے۔ اس سے اوپر قوتِ روحانیہ ہے اور اس سے اوپر صفاتِ الٰہیہ کا مقام ہے۔ جو چیز عالم ناسوت میں وجود پذیر ہوتی ہے۔ پہلے اس کا نقشہ عالم مثال میں تیار کیا جاتا ہے۔ مثال مثل کی جمع ہے اور اس کے معنی شکل اور نقشہ ہیں۔

کائنات کے اندر تجلیاتِ الٰہیہ پھیلی ہوئی ہیں۔ ان سب تجلیات کا منبع تجلی اعظم ہے۔ ان میں سے ایک تجلی رحمانی ہے۔ اور جیسے اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے اشعۂ رحمانیہ ہی منجمد ہو کر مادے کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ جیسے ماڈرن سائنس میں بیان کیا جاتا ہے کہ فضائی کرنیں مادہ پیدا کرتی ہیں۔ سائنس پہلے مادے کے ایک ذرے ایٹم پر ٹھہر گئی تھی۔ لیکن اب وہ ایٹم کو پھاڑ کر مادے سے آگے بڑھ چکی ہے۔ اور اس نے معلوم کر لیا ہے کہ مادے کی اصل غیر مادی ہے اور فضائی کرنیں مثبت اور منفی برق پارے (الیکٹرون اور پروٹون) پیدا کر رہی ہیں جو خاص تعداد میں مل جل کر مختلف ملاپ بناتے ہیں۔ مادہ اصل میں اسی قوت کی منجمد شکل ہے۔ مادہ پھٹ کر پھر وہی قوت بن جاتا ہے۔ اور قوت منجمد ہو کر مادہ بن جاتی ہے۔ یہی بات حضرت امام صاحب بیان کرتے ہیں۔ (باقی ص۱۷ پر)

(بقیہ مجلس ذکر صہ سے آگے)

سے گونج اٹھتا مسلمان مبلغین کے بیٹھے بیٹھے ارشادات حسین کردار اور عظمت اخلاق کا کرشمہ نہیں تو اور کیا ہے!

اسی ہندوستان کی سرزمین میں جب خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور انہوں نے نوے نوے ہزار انسانوں کو کلمۂ توحید پڑھایا۔ اور نور اسلام سے انہیں منور کیا تو ان کے پاس آخر وہ کون سی تلوار تھی جو قلب و نظر کو فتح کرتی چلی جاتی تھی؟ بات صرف یہ تھی کہ جب لوگ معین الدینؒ کو دیکھتے تھے۔ آپ کے حسن اخلاق اور بلندیٔ کردار کا جائزہ لیتے تھے تو بیساختہ اُن کے دل سے یہ بات اٹھتی تھی۔ کہ معین الدینؒ کا جب یہ حال ہے، اس کی عظمت کردار کا جب یہ عالم ہے۔ تو اس کے آقا کی کیا شان ہوگی جس کا پیغام لے کر قریہ قریہ یہ گھوم رہا ہے ـــ خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت اخلاق کا نقش اور ان سے عقیدت کا جذبہ کفار کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا کھڑا کرتا تھا اور وہ مسلمان ہو جاتے تھے۔ پھر صحبت کا اثر انہیں کندن بنا دیتا، کتاب و سنت کا رنگ ان پر چڑھ جاتا اور وہ چلتے پھرتے دینِ حق کے مبلغ بن جاتے۔

اخلاق کی تلوار کا گھاؤ فولاد کی تلوار سے کہیں گہرا اور زیادہ دیرپا ہوتا ہے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ جہاں اسلام فاتحین کے ذریعہ سے گیا مثلاً سپین، روما، اور غرناطہ وغیرہ مغربی ممالک میں وہاں زیادہ دیر تک اسلام کی عملداری قائم نہ رہ سکی۔ اور جلد ہی وہاں سے اسے کوچ کرنا پڑا۔ مگر جہاں اسلام صوفیاء اور مبلغین اسلام کے دم قدم سے پہنچا وہاں آج بھی دین حق کا پرچم آب و تاب سے لہرا رہا ہے اور اس پر جان چھڑکنے والے نفوس قدسیہ وہاں موجود ہیں۔

فاتحین کے اسلام اور صوفیاء کے اسلام میں فرق ظاہر ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:-

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ نگاہ کی تیغ بازی وہ سپاہ کی تیغ بازی

اور ظاہر ہے نگاہ کی تیغ بازی سپاہ کی تیغ بازی سے کہیں زیادہ موثر ہوتی ہے اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدا کردہ جماعت صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جو رنگ نظر آتا ہے وہ بعد والوں میں نہیں۔ اور جو اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنے والوں کا حال ہوتا ہے وہ غیر تربیت یافتہ اور اہل اللہ سے دُور رہنے والوں میں دکھائی نہیں دیتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ قرآن مجید کہاں ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر لکھا ہوا قرآن مجید دیکھنا چاہتے ہو تو یہ سامنے ہے اور اگر چلتا پھرتا قرآن دیکھنا مقصود ہو تو ہمیں دیکھ لو ـــ یہ محض صحبت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا اثر تھا۔ کہ قرآن ان کی زندگیوں میں رچ چکا تھا۔ اور اخلاق نبویؐ سے متاثر ہو کر وہ خود مہر و وفا اخلاق و مروت اور صدق و صفا کی جیتی جاگتی تصویریں بن چکے تھے۔

افسوس آج مسلمانوں نے قرآنی تعلیمات اور ارشاداتِ نبویؐ کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ تعلیماتِ قرآنیہ سے رُوگردانی کر لی ہے، دامنِ اخلاق و محبت ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے علی الرغم فرمانِ نبویؐ کے خلاف محبت و اخلاق سے پیش آنے کے بجائے ایک دوسرے کا خون چوسنا شروع کر دیا ہے دوسروں کی ترقی میں روکاوٹیں ڈالنے کی راہیں سوچتے رہتے ہیں۔ باپ بیٹے کا دشمن ہو گیا ہے، بیٹے نے باپ سے سرتابی کی راہ اختیار کر لی ہے، بھائی بھائی کو دیکھ کر جلتا ہے، ہمسایوں سے سلوک ناپید ہے، زبانیں تکفیر گھڑنے کی ٹکسالیں بن چکی ہیں۔ رواداری اور محبت کا نشان نہیں ملتا۔ اخلاق و محبت کے تمام ضابطے نظر انداز کر دئے گئے ہیں اور خوفِ خدا سے دل یکسر خالی ہو چکے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم اخلاقی پستی کی طرف جا رہے ہیں روحانی بیماریاں زیادہ سے زیادہ ہوتی جا رہی ہیں۔ اور ساری قوم اخلاقی کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہو چکی ہے۔

ہمارے اکابر کا طریق تو یہ رہا ہے کہ وہ غیروں سے بھی محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دیوبند مادر زاد ولی اور سیدزادے تھے۔ اور تمام ہندوستان کے ہندو، مسلمانوں کی زبان پر ان کا چرچا تھا۔ وہ جس راستہ سے گذرتے بلا امتیاز مذہب و ملت سب لوگ انہیں ابا جی سلام۔ ابا جی السلام علیکم کہتے اور ادب سے جھک جاتے۔ اور یہ اثر تھا ان کے حسن اخلاق کا کہ وہ ہر ایک سے محبت و شفقت کا سلوک کرتے ـــ چونکہ ان کا شہرہ بزرگی کے اعتبار سے دُور و نزدیک پھیلا ہوا تھا۔ کئی لوگ مختلف مذاہب کے ان کی زیارت کو آتے اور ان سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ آپ کی رواداری کا ایک واقعہ سن لیجئے۔

آپ نے مجھے ایک مرتبہ اپنا مہمانخانہ دکھلایا۔ مہمان خانہ کا نام تھا "دار الفقراء والمساکین والمہاجرین" ـــ اس میں ایک کمرہ عبادت کے لئے مخصوص تھا جس کا نام عبادت خانہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا "میاں صاحبزادے! دیکھتے ہو۔ ہم نے اس کمرہ کا نام مسجد نہیں رکھا۔ بلکہ عبادت خانہ رکھا ہے۔ اس لئے کہ اگر کوئی غیر قوم کا آدمی اپنی عبادت کرنا چاہے تو اس پر بار نہ گذرے۔ اور اسے تکلیف نہ ہو" اللہ اللہ اخلاق و مروت کا یہ عالم تھا۔ اسی لئے غیر مذاہب والے بھی اس خلق سے متاثر ہوتے اور صداقت اسلام کے قائل ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوتے تھے۔

اے امتِ مسلمہ! جس دین نے غیروں تک سے رواداری کی تعلیم دی ہو آج اُسی دین کے نام لیوا اگر آپس میں دست و گریباں ہوں اور محبت و اخلاق کے تقاضے بالائے طاق رکھ دیں تو کس قدر شرم و غیرت کی بات ہے۔ اور باعث صد حیف ہے کہ جس قوم کے دامن سے غیروں نے جھولیاں بھریں۔ آج وہ قوم خود خالی دامن ہے۔

آئیے۔ اپنے ماضی کی طرف لوٹ چلیں۔ قرنِ اوّل کے تحفوں سے فائدہ اٹھائیں۔ صحابہ کرام کی زندگیوں کے سانچہ میں خود کو ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اور اخوت و محبت کی وہی یاد تازہ کریں جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ کی پاک سرزمین پہ شمع رسالت کے پروانوں نے دنیا کے سامنے پیش کی تھی اور جس سے کوئی مسلمان آشنا نہیں۔

برادران عزیز! آج یہ کردار اور بلندیٔ اخلاق صرف کتاب و سنت کی مکمل پیروی اور اہل اللہ کی صحبت میں تربیت حاصل کرنے ۴

بقیہ خطبہ جمعہ صفحہ ۹ سے آگے

یہ نمونہ ہے رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت اور عظمتِ شان کا کہ ایک صلیح الاعتقاد عیسائی، کیمبرج یونیورسٹی جیسے ادارہ کا مسلمہ استاد، اٹھارھویں صدی کا بہت بڑا سکالر جس کے نام پر انگلستان کو فخر و ناز ہے ہزاروں انبیاء کی صداقت پر ایمان رکھتے ہوئے، سینکڑوں انبیاء کے اسماء مبارکہ کے جانتے ہوئے بھی دنیا کے سامنے جب نبوت کا نمونہ پیش کر سکا تو سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے سوا کوئی دوسرا نام اُسے سوجھا ہی نہیں۔ سچ ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ تم کو بہترین نمونہ محمد رسول اللہ ہی میں ملیں گے۔

۳۔ اعمل الناس ہو

ظاہر ہے کائنات میں صرف وہی شخص نمونۂ کامل ہو سکتا ہے جو تمام نوع انسانی میں سب سے زیادہ عمل کرنے والا ہو۔ دنیا میں کوئی ریفارمر، کوئی لیڈر، اور کوئی پیغمبر ایسا نہیں جو اس حیثیت سے بھی ہمارے آقا و مولا کا مثیل ہو سکے۔ حضور علیہ السلام نے ہر وہ کام جو خدا کی طرف سے امت مسلمہ کے سپرد کیا تمام امت سے بڑھ کر پہلے آپ کر کے دکھایا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ قاعدہ ہے کہ میدان جنگ میں جرنیل ہمیشہ فوج کے پیچھے رہ کر لڑتا ہے۔ اور محض جنگی تدابیر بتانے اور فوج کو لڑانے کا ذمہ وار ہوتا ہے۔ لیکن حضورؐ جس جنگ میں بھی شریک ہوئے ہمیشہ صفِ اول میں اور سب سے آگے رہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ آپ جنگ میں پچھلی صف میں رہ کر لڑے ہوں۔

۲۔ میدانِ جنگ میں اگر صحابہؓ نے بھوک سے تنگ آ کر ایک ایک پتھر اپنے پیٹ پر باندھا تو حضور نے دو دو پتھر باندھے۔

۳۔ امت پر صرف رمضان کے روزے فرض ہیں۔ لیکن حضورؐ نے شعبان میں بھی کبھی روزہ نہیں چھوڑا۔ اس کے علاوہ آپ اکثر روزہ سے رہتے۔

۴۔ امت پر صرف پانچ نمازیں فرض ہیں لیکن آپ پر نماز تہجد بھی فرض تھی۔

۵۔ کتب سیر میں صاف طور پر مرقوم ہے کہ آپ اس قدر ریاضت اور عبادت کرتے تھے کہ کھڑے کھڑے آپ کے پاؤں مبارک سوج جاتے۔

ایسی اور بھی کئی مثالیں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ جو کچھ زبان مبارک سے فرماتے تھے اس سے زائد عمل کر کے بھی دکھاتے تھے۔

۴۔ اکمل النّاس ہو

یہ ایک ناقابلِ تردید اور مسلّمہ حقیقت ہے، کہ جب تک کوئی شخصیت مخلوق میں سب سے اکمل نہ ہو۔ کائنات انسانی کے لئے نمونۂ کامل بن ہی نہیں سکتی۔ اب اگر رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور آپ کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات صاف طور پر سامنے آئے گی کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے جملہ کمالات ذاتِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع تھے ؎

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضورؐ کو جو کمالات خداوند قدوس نے عطا کئے وہ آپ اپنا جواب ہیں۔ ان میں سے مشتے از خروارے ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ قرآن کریم حضور علیہ السلام کا زندہ معجزہ ہے۔ اس میں کوئی ترمیم اور کوئی تحریف تا ابد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔ بے شک ہم نے اس ذکر کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

تمام انبیائے سابقہ پر نازل شدہ کتب تحریف کا شکار ہوئیں۔ لیکن حضورؐ چونکہ خاتم الانبیاء تھے اور آپ پر انسانیت کا اکمال ہو چکا تھا۔ اس لئے آپ کی تعلیمات کی حفاظت کا ذمہ بھی خداوند قدوس نے لے لیا۔

۲۔ کسی نبی کو خداوند قدوس نے معراج سے نہیں نوازا مگر کملی والے کو اپنی رویت سے مشرف فرمایا۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مارا تو اس سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے۔ یہ واقعی معجزہ ہے مگر کمالِ معجزہ نہیں۔ کیونکہ پانی زمین ہی سے نکلتا ہے۔ زمین سے چشمے پھوٹتے ہر انسان نے دیکھے ہیں مگر انگلیوں سے پانی نکلنا کسی نے نہیں دیکھا۔ یہ کمال فقط ہمارے آقاؐ کو دیا گیا ہے کہ ان کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے اور نہ صرف تمام لشکر نے اپنی پیاس بجھائی بلکہ گھوڑوں اور اونٹوں تک نے جی بھر کے پانی پیا انگلیوں سے پانی کا نکلنا کمال معجزہ اس لئے ہے۔ کہ یہ کوئی پانی نکلنے کی جگہ نہیں ہے۔

۴۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام حکم خداوندی سے مُردے زندہ کیا کرتے تھے۔ لیکن مُردے میں رُوح کا عود کر آنا اتنا بڑا کمال نہیں جتنا کہ درخت میں جان کا پیدا ہو جانا۔ ستون حنانہ والا واقعہ اس پر شاہد عدل ہے جو اختصار کے باعث پیش نہیں کیا جا رہا۔

اسی طرح ہزارہا کمالات سید المرسلین علیہ السلام کو خداوند قدوس نے عطا فرمائے جو کسی اور نبی کو نہیں دئے گئے ——

چنانچہ اکمل الناس بھی رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ٹھہری

اے برادرانِ اسلام! ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں اس برگزیدہ نبیؐ کی امت میں پیدا فرمایا۔ جس کی نظیر ساری مخلوق میں نہیں۔ جس کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ ؏

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جس کو اجمع الناس، اعمل الناس اور اکمل الناس بنا کر بھیجا گیا اور جس کی نبوّت ساری کائنات کو عام ہے۔

پس

ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے آقا کی مکمل تابعداری کرتے ہوئے تمام کائنات کے لئے نمونہ بنیں اور اقوام عالم کو روٹھے ہوتے خدا کے دروازہ پر لا کھڑا کریں۔

اے اللہ! ہمیں قرآن و سنت کو مشعل راہ بنانے کی توفیق عطا فرما اور جملہ برائیوں سے محفوظ رکھ۔ آمین

نفس نفس پہ رحمتیں قدم قدم پہ برکتیں
جہاں جہاں سے وہ شفیع عاصیاں گذر گیا
جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آجتک
وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گذر گیا

بقیہ امام ولی اللہ صفحہ ۱۵ سے آگے۔

اس سے آگے حضرت امام بیان فرماتے ہیں کہ مادہ، زمان اور مکان تینوں کی اصل ایک ہے۔ یہی مسئلہ اضافیت ہے جسے آئن سٹائن نے پیش کیا ہے۔

(باقی باقی)

بقیہ صد ۱۹ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ

کر دیا اور فقط پانی سے روزہ افطار کیا۔ تیسرے دن حضرت علیؓ نے اپنی زرہ گروی رکھ کر افطاری کا بندوبست کیا کہ ایک مسافر نے صدا لگائی تو مائی جنت خاتونؓ نے کھانا اس کے حوالے کر دیا۔

نماز کی اتنی دلدادہ تھیں کہ بیماری کی حالت میں بھی نماز کبھی نہ چھوڑی۔ ایک بار بیماری کی حالت میں چکی پیس رہی تھیں تو حضرت علیؓ نے منع فرمایا۔ مگر آپ نے جواب دیا کہ "آپ کی خدمت بھی تو میرا فرض ہے اگر آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں جان جاتے تو زہے نصیب" شوہر کی اس قدر تابعداری مسلمان بہنوں کے لئے بہت بڑا سبق ہے۔

جنگ اُحد میں آپ نے عملاً حصہ لیا۔ جب جنگ میں حضورؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو سیدۃ النساء خود میدانِ جنگ میں پہنچیں تو رسول اللہؐ کے زخم کو پانی سے دھویا اور پھر بوریا جلا کر راکھ زخموں میں ڈالی۔ لکھا ہے۔ کہ سیدۃ النساءؓ حضور اقدسؐ کو اتنی پیاری کہ جب کبھی بھی حضورؐ سفر سے واپس تشریف لاتے تو دو رکعت نماز نفل پڑھنے کے بعد پہلے سیدہ کے گھر جاتے اور پھر اپنے گھر رونق افروز ہوتے اس سے اندازہ کرنا چاہیے کہ مائی بتولؓ حضورؐ کو کتنی پیاری تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے آپ کو سیدۃ النساءؓ، خاتونِ جنت اور جگر کے ٹکڑے ایسے معزز خطابوں سے نوازا ہے۔

حضرت مائی عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ کہ جب رسول اکرمؐ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپؐ نے مائی فاطمہؓ کو پاس بلا کر ان کے کان میں کچھ کہا جسے سن کر آپ رو پڑیں۔ پھر حضورؐ نے دوبارہ پاس بلایا اور کان میں کچھ کہا تو آپ ہنس پڑیں۔ دراصل حضورؐ نے پہلی بار اپنے وصال کی خبر دی تھی۔ جسے سُن کر آپ بے اختیار رو دیں۔ اور دوسری بار حضورؐ نے فرمایا تھا۔ کہ اے فاطمہؓ! تم مجھے اپنے خاندان میں سب سے پہلے ملوگی۔ تو حضورؐ سے اس ملنے کی آپ ہنس پڑیں چنانچہ حضورؐ کے وصال مبارک کے چھ ماہ بعد سیدہ فاطمہؓ بھی وصال فرما گئیں۔

اسلامی بہنو! حضرت فاطمہؓ کی اس مختصر زندگی میں بچپن سے لے کر وصال تک کتنے سبق پنہاں ہیں۔ ان کی ساری زندگی صبر و شکر، سادگی اور محنت سے لبریز ہے۔ تمام اسلامی بہنوں کو سیدۃ بتولؓ کے نقشِ قدم پر چل کر خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنی چاہیے۔ ورنہ محض نام سے کام نہیں بنے گا۔ کام سے نام ہوگا۔ آپ بھی اپنی اولاد کی اس طرح تربیت کریں کہ آپ کی اولاد کی بہادری اور قربانی سے اسلام میں حیاتِ تازہ پیدا ہو جائے۔

سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی زندگی کا ہر دَور اسلامی بہنوں کے لئے خاص کر اور نسوانی دنیا کے لئے عام طور پر ہر رنگ میں کسی نہ کسی حسن عمل کی ضرور رہنمائی کرتا ہے۔ اگر ایک طرف بالکل بچپنے میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ محبت پدری سے مغلوب ہو کر حضور صلعم کے جسم مبارک سے عین سجدہ میں اونٹ کی اوجھڑی اتارتے وقت رو رہی اور ابوجہل اور عقبہ کو ملامت کر رہی ہیں تو دوسری طرف بوقتِ وصال تجویز فرماتی ہیں کہ میں نہیں چاہتی کہ عورت کا جنازہ مردوں کی طرح کھلا اٹھایا جائے کیونکہ اس طرح کفن کے باوجود عورت کے قد و قامت اور جسم کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ بہتر ہے کہ میرا جنازہ رات کو اٹھایا جائے یا تابوت میں رکھا جائے۔

المختصر حضرت فاطمہؓ رسول پاکؐ کی لختِ جگر، حضرت علیؓ کی زوجۂ اطہر اور حضراتِ حسنینؓ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ اور آپ کی عظمت کے لئے صرف یہی کوئی کم بات نہیں شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ کے فکر نے اسکی عظمت کو یوں منظوم فرمایا ہے۔

مریم از یک نسبتِ عیسےٰ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہراؓ عزیز
نورِ چشمِ رحمت اللعالمین
آں امامِ اوّلین و آخرین
بانوے آں تاجدارِ ھل اتیٰ
فاتحِ خیبر، علی شیرِ خدا
مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق
مادرِ آں قافلہ سالارِ عشق
مزرعِ تسلیم را حاصل بتول
مادراں را اسوۂ کامل بتول

استفتاء

اس عنوان کے تحت آئندہ انشاءاللہ مستقل طور پر فتاویٰ شائع ہوا کریں گے ——

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اس سلسلہ میں اپنے خطوط بنام مینیجر ارسال کریں۔ جوابی امور کے لئے ڈاک کے ٹکٹ ارسال فرمائیں۔ یہ خیال رہے کہ عام فہم اور وہ مسائل فقہیہ جو مقامی علماء حضرات سے دریافت ہو سکتے ہیں ان کے جوابات شائع نہیں ہوں گے۔ ان کالموں میں انہی سوالات و جوابات کو جگہ دی جائے گی جن سے جملہ اہلسنت والجماعت حضرات استفادہ کر سکیں۔

اسی طرح متنازعہ فیہ مسائل اور وہ سوالات جن سے مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں منافرت پھیلنے کا امکان ہو وہ بھی شائع نہیں ہوں گے۔

(مینیجر)

سرخ نشان

اگر آپ کے نام کی چٹ پر سرخ نشان ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ آپکا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ اس صورت میں آپ کے ذمہ تین باتوں میں سے ایک پر عمل کرنا ضروری ہے

(۱) مزید چندہ بھیج دیں (۲) وی۔ پی کے لئے ہمیں تحریر فرمادیں۔ (۳) پرچہ بند کرنے کیلئے ہمیں تحریر فرمادیں۔

خواتین کا صفحہ

سیدۃ النساءؑ حضرت فاطمۃ الزہراؓ

جناب محمد امین صاحب ہیڈ ماسٹر بورسٹل جیل لاہور

سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ زہرہ اور بتول آپ کے القاب ہیں۔ سیدۃ النساء، جنت خاتون اور جگر گوشۂ رسولؐ کے ناموں سے بھی معروف ہیں۔ آپ نے اپنی ماں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ طاہرہ کی گود میں پرورش پائی۔ مگر آپ جلد ہی شفقتِ مادری سے محروم ہو گئیں۔ اور آپ کی تربیت بلا واسطہ جناب مصطفےٰؐ کی نگرانی میں ہونے لگی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ میں اسوۂ حسنہ کا کامل نمونہ پایا جاتا تھا بچپن میں ہی آپ کی طبیعت نیکی کی طرف مائل تھی۔ غریبوں سے ہمدردی اور یتیموں پر شفقت آپ کی عادت تھی ۱۰ برس کی عمر میں ہی آپ کی ذہانت اور فراست کا شہرہ دُور دُور تک پھیل گیا۔ اور جملہ اصحاب و خواتین آپ کی علمی استعداد کے معترف ہو گئے۔

جب آپ جوان ہوئیں تو رسول پاکؐ نے خدا کی مرضی سے آپ کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا۔ جہیز بالکل مختصر اور سادہ تھا۔ چکی اور پانی کی مشک جیسی اشیاء آپ کے جہیز میں شامل تھیں۔ حضرت فاطمہؓ نے یہ دونوں چیزیں عمر بھر نہ چھوڑیں نکاح کے بعد حضورؐ نے فرمایا۔ "اے علیؓ! نبی کی بیٹی مبارک ہو"۔ مزید فرمایا "فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اسے ستایا اس نے مجھے ستایا"۔ اس وقت حضرت فاطمہؓ "بتول" سے خطاب فرمایا اور کہا "اے فاطمہؓ! تیرا شوہر بہت اچھا ہے۔ اس کی رضامندی خدا اور رسولؐ کی رضامندی ہے"۔

امام حسنؓ، حسینؓ اور محسنؓ، زینبؓ اور ام کلثومؓ آپ کی اولاد ہیں۔ حضرت بتولؓ تربیت اولاد کا خاص خیال فرمایا کرتیں۔ بچوں کو سلانا ہو تو قرآن پاک کی تلاوت سے سلاتیں اور اگر ڈرانا مقصود ہوتا تو بھی تلاوتِ کلام پاک ہی سے ڈراتیں۔ چکی پیستے وقت بچے کو گود میں بہلانا اور کلام پاک کی تلاوت جاری رکھنا آپ کا معمول تھا۔ اور یہ سیدۃ النساءؓ کی گود اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ آپ کی اولاد نے اپنی ساری زندگی ناناؐ کے دین کے لئے وقف کر دی۔ آپ کی اولاد کی قربانیاں ناقابل فراموش ہیں۔ اور اسلامی تاریخ ان کی شاہد ہے اور واقعہ کربلا اس کی زندہ شہادت ہے ؎

اگر پندے ز درویش پذیری
ہزار امت بمیرد تو نمیری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

سیدۃ النساءؓ عموماً گھر کا کام کاج خود کرتیں۔ یہاں تک کہ چکی پیسنے سے ہاتھوں پر چھالے اور مشکیزہ اٹھانے سے آپ کے جسد مبارک پر نشان پڑ جاتے۔ گھر کی صفائی کرتے کرتے سارے کپڑے گرد آلود ہو جاتے۔ مگر آپ کو یہ سب کام خود کرنے میں راحت محسوس ہوتی کیونکہ یہ سنتِ رسولؐ تھی —— اور رسول اللہؐ گھر کے اکثر کام خود کیا کرتے

ایک بار حضرت علیؓ کے ایماء پر خادم لینے کے خیال سے حضورؐ کی خدمت اقدس میں گئیں۔ مگر جھجک کر واپس لوٹ آئیں حضورؐ خود تشریف لائے اور جا کر واپس چلے آنے کی وجہ پوچھی۔ حضرت علیؓ نے تمام ماجرا سنایا تو حضورؐ نے جناب فاطمہؓ سے فرمایا اے فاطمہ! تجھے آخرت مقصود ہے یا دنیا؟ بتولؓ نے فرمایا "آخرت"۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر آخرت منظور ہے تو نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمدللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔"

ایک دفعہ آپ کو فضہ نامی ایک خادمہ ملی۔ مگر آپ ہمیشہ اس کے ساتھ ساری کام کرتیں۔ کھلانے پلانے اور پہننے میں اسے برابر کا شریک فرماتیں۔ جنت کی خاتون، سیدۃ النساء اور دین و دنیا کے سردار کی بیٹی گھر کے تمام کام کاج اپنے دستِ مبارک سے کرتیں۔ مگر آج اکثر مستورات گھریلو کام کرنا اپنی ہتک جانتی ہیں۔ ان کے لئے حضرت بتولؓ کا اسوہ باعثِ راحت ہونا چاہیے ؎

آں ادب پروردۂ صبر و رضا
آسیہ گردان و لب قرآں سرا

آپ صابرہ اور شاکرہ تھیں۔ ایثار و قربانی آپ کی گھٹی میں داخل تھی۔ ایک بار حسنین بیمار ہوئے۔ تو آپ نے ان کی صحتیابی کے لئے خدا کے حضور میں تین روزوں کی منت مانی۔ جب حسنین صحت یاب ہو گئے تو آپ نے روزے رکھنے شروع کئے۔ اتفاق کی بات ہے کہ پہلے دن روزہ رکھا تو افطاری کے وقت ایک یتیم نے صدا لگائی۔ آپ نے پکا پکایا کھانا اس کو دے دیا۔ اور خود پانی سے گذارہ کیا۔ اسی طرح دوسرے دن افطاری کا وقت آیا تو ایک مسکین نے سوال کیا۔ آپ نے پھر سب کچھ اس کے حوالے

(باقی صـ۱۸ پر)

خدام الدین - لاہور

ایڈیٹر
عبید اللہ انور

The Weekly "KHUDDAMUDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

رجسٹرڈ ایل
نمبر ۶۰۴۷

منظور شدہ محکمہ تعلیم (۱) لاہور بحکم بذریعہ چٹھی نمبری ۷/۱۶۳۳۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور بحکم بذریعہ چٹھی نمبری C.E.T.T.۳۰۔۷۴۳۔۳۳۸۱ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۵۶ء